مسیحیت

علمی اور تاریخی حقائق کی روشنی میں

ایک اہم عربی کتاب کا شگفتہ اردو ترجمہ، جس میں مسیحیت کا معروضی مُطالعہ اور بے لاگ جائزہ پیش کیا گیا ہے اور قرآنِ حکیم کی روشنی میں مسیحیت کی تاریخ اور اس کے کمزور پہلوؤں کی علمی انداز میں نشان دہی کی گئی ہے۔

تألیف
متولی یوسف جلبی

ترجمہ
مولانا شمس تبریز خان لکھنوی

ادارۂ اسلامیات ○ انارکلی، لاہور ۲

مسیحیت

علمی اور تاریخی حقائق کی روشنی میں

ایک اہم عربی کتاب کا شگفتہ اردو ترجمہ، جس میں مسیحیت کا معروضی مطالعہ
اور بے لاگ جائزہ پیش کیا گیا ہے اور قرآن حکیم کی روشنی میں مسیحیت کی تاریخ
اور اس کے کمزور پہلوؤں کی علمی انداز میں نشان دہی کی گئی ہے۔

تالیف
متولی یوسف جلبی

ترجمہ
مولانا شمس تبریز خاں لکھنوی

ادارۂ اسلامیات ○ انارکلی، لاہور ۲

اشاعت اوّل : رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ، مئی ۱۹۸۶ء
باہتمام : اشرف برادران سلمہم الرحمان
مطبع : تجارت پرنٹرز، لاہور
ناشر : ادارۂ اسلامیات، لاہور ۲
قیمت :

ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی، لاہور ۲
دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی ۲
ادارۃ المعارف ڈاک خانہ دارالعلوم، کراچی ۱۴
مکتبہ دارالعلوم ڈاک خانہ دارالعلوم، کراچی ۱۴

فہرست

تمہید مترجم ۶
مقدمہ (مؤلف) مقصد اور طریقۂ کار ۱۳
کتاب کا مقصد ۱۳
کتاب کا طریقۂ کار ۱۴
مسیحیت: جس کی تعلیم مسیح نے دی تھی ۱۷
قرآن ہی مسیحیت کا ماخذ کیوں؟ ۲۴
تاریخ مسیحیت حضرت عیسیٰؑ کے بعد ۲۸
حضرت عیسیٰؑ پر یہود اور رومیوں کے مظالم ۲۸
دینی مظالم کے چار دور ۳۲
دینی مظالم نیرو کے عہد ۶۴ء میں ۳۳
دینی مظالم عہد ٹراجان ۱۰۶ء میں ۳۳
دینی مظالم ڈی سیس کے عہد ۲۴۹-۲۵۱ء میں ۳۴
دینی مظالم دقلدیانوس کے عہد ۲۸۴ء میں ۳۵
مسیحی عقائد میں فلسفہ کی آمیزش ۳۷
امتزاج مغرب میں ۳۷
امتزاج مشرق میں ۴۰
مسیحیت کے ماخذ (توراۃ، اناجیل، رسولوں کے خطوط) ۴۵
مسیحیت کا ماخذ اول: اناجیل ۴۷
انجیل متی ۴۷
انجیل متی کی زبان ۴۸
تاریخ تدوین اور مترجم ۴۸
انجیل مرقس ۵۰
تدوین کی زبان اور تاریخ ۵۲
انجیل لوقا ۵۳
تاریخ تدوین ۵۴
انجیل یوحنا ۵۵
تاریخ تدوین ۵۸
اناجیل اربعہ پر ایک نظر ۵۹
حضرت عیسیٰؑ کی اصل انجیل۔ اور موجودہ اناجیل ۶۱
ایٹن دینیہ کی رائے ۶۲
ڈاکٹر نظمی لوقا کی رائے ۶۸
برنابا اور ان کی انجیل ۷۰
برنابا کی شخصیت ۷۰
برنابا کا دینی مقام ۷۳
انجیل برنابا کے بارے میں ۷۴
انجیل برنابا کی اہمیت ۷۷
ایک اہم نکتہ ۸۰
عیسائیت۔ اناجیل اربعہ اور انجیل برنابا کی روشنی میں ۸۲
عقائد اور انجیلیں ۸۲
دار و رسن کی آزمائش یا صلیب مسیح ۸۵
ایٹن دینیہ کی رائے مسیحیت کے بارے میں ۸۶
ڈاکٹر نظمی لوقا کے خیالات ۸۸
مسیحیت۔ انجیل برنابا کی روشنی میں ۹۱
عقیدہ ۹۱

صلیب کے بارے میں ۹۳
انجیل برنابا ایک عیسائی دانشور کی نظر میں ۹۶
علامہ رشید رضا مصری کا دیباچہ ۱۰۱
رسولوں کے اعمال اور خطوط ۱۰۴
رسائل کے معنی ۱۰۴
رسائل کی تعداد ۱۰۵
تحریر کی زبان اور ان کے لکھنے والے ۱۰۶
پولس اور مسیحیت ۱۰۸
رسائل پر چند ملاحظات ۱۱۰
کلیسا کی کونسلیں اور اجتماعات ۱۱۳
اس تحقیق کی اہمیت ۱۱۳
کونسل کا مفہوم ۱۱۴
کونسلیں اور ان کی نوعیت و تعداد ۱۱۴
نیقیہ کی کونسل منعقدہ ۳۲۵ء ۱۱۶
سبب انعقاد ۱۱۶
حاضرین کی تعداد ۱۱۸
قراردادیں ۱۱۹
ملاحظات ۱۱۹
قسطنطنیہ کی پہلی کونسل ۳۸۱ء ۱۲۰
سبب انعقاد ۱۲۰
حاضرین کی تعداد ۱۲۱
قراردادیں ۱۲۱
ملاحظات ۱۲۲
افسس کی پہلی کونسل ۴۳۱ء ۱۲۳
سبب انعقاد ۱۲۳
حاضرین کی تعداد ۱۲۴
قراردادیں ۱۲۵
ملاحظات ۱۲۵
خلقیدونیہ کی کونسل ۱۲۶
سبب انعقاد ۱۲۶
حاضرین کی تعداد ۱۲۷
قراردادیں ۱۲۷
ملاحظات ۱۲۸
تبصرہ اور جائزہ ۱۲۹
خلاصہ ۱۳۱
قسطنطنیہ کی دوسری کونسل ۵۵۳ء ۱۳۲
سبب انعقاد ۱۳۲
حاضرین کی تعداد ۱۳۲
قراردادیں ۱۳۲
ملاحظات ۱۳۳
قسطنطنیہ کی تیسری کونسل ۱۳۳
سبب انعقاد ۱۳۳
حاضرین کی تعداد ۱۳۳
قراردادیں ۱۳۳
نیقیہ کی دوسری کونسل ۷۸۷ء ۱۳۴
سبب انعقاد ۱۳۴
حاضرین کی تعداد ۱۳۴
قراردادیں ۱۳۴
(الف) قسطنطنیہ کی چوتھی کونسل ۸۶۹ء ۱۳۵
سبب انعقاد ۱۳۵
حاضرین کی تعداد ۱۳۵
قراردادیں ۱۳۵
(ب) قسطنطنیہ کی پانچویں کونسل ۸۷۹ء ۱۳۶
سبب انعقاد ۱۳۶

قراردادیں ۱۳۶
نتیجہ ۱۳۷
کونسل روما ۱۱۲۳ء ۱۳۸
" " ۱۱۳۹ء ۱۳۸
" " ۱۱۷۹ء ۱۳۸
" " ۱۲۱۵ء ۱۳۸
۱۵۴۲ء سے ۱۵۶۳ء تک ۱۳۹
کونسل روما ۱۸۶۹ء ۱۳۹
مسیحی فرقے: پرانے اور نئے ۱۴۲
چند ملاحظات ۱۴۳
عہد توحید اور رجال کلیسا کی حکومت سے بے نیازی کا مرحلہ ۱۴۳
رومی حکومت کے زیر سایہ اقانیم کا رواج ۱۴۴
استقلال اور حکومت سے کشمکش کا مرحلہ ۱۴۵
تقسیم کا سبب ۱۴۵
ایک اہم تاریخی نکتہ ۱۴۶
دینی اصلاح کی تحریک ۱۴۸
کلیسا کا تعلق عوام و علماء سے ۱۴۹
کلیسا کا تعلق امراء اور حکام سے ۱۵۰
کلیسا کا آپسی طرز عمل ۱۵۰
نجات کے ٹکٹ اور پروانے ۱۵۱
اخلاقی طرز عمل ۱۵۲
تحریک اصلاح کا آغاز اور ایک راہب کی آواز ۱۵۴
اصلاح کا دوسرا مرحلہ۔ فکری محاذ ۱۵۶
ارزم (۱۴۶۵-۱۵۳۶ء) ۱۵۶
تامس مور (۱۴۷۸-۱۵۳۵ء) ۱۵۷
لوتھر ۱۵۷
لوتھر کے عقائد ۱۵۹
زونجلی ۱۶۰
کالون ۱۶۰
اصلاحی تحریک کے نتائج ۱۶۱
ایک اہم نکتہ ۱۶۱
اہل کتاب کون ہیں ۱۶۴
اہل کتاب کے بارے میں قرآن کا موقف ۱۷۳
قدر و اعتراف ۱۷۳
معاندین کو تنبیہ ۱۷۵
عقیدۂ الوہیت کی تصحیح ۱۷۵
حقیقت عیسیٰؑ ۱۷۷
حضرت عیسیٰؑ کا موقف ۱۷۸
قرآن اور حضرت مریمؑ ۱۷۹
شرائع سابقہ کا ابطال ۱۸۰
حضرت عیسیٰؑ کی رسالت بنی اسرائیل تک محدود تھی ۱۸۱
اہل کتاب کے کچھ جرم ۱۸۱
قرآن کی نظر میں اہل کتاب و مسلمانوں کا اتحاد ۱۸۲
قرآن اور مسلمانوں اور اہل کتاب کے تعلقات ۱۸۳
سیاسی تعلقات ۱۸۴
فوجی اور جنگی معاملات ۱۸۶
چند افکار و خیالات ۱۹۱
غیر جانبدارانہ طرز تحقیق ۱۹۱
مذاہب کا تقابلی مطالعہ ۱۹۳
مذہبی رواداری کے دعوے ۱۹۶
غیر مسلموں سے تعلقات کی حد فاصل ۲۰۰
اہل کتاب اور غیر مسلموں سے تعلقات ۲۰۱
مصادر و مراجع ۲۰۵

تمہیدِ مترجم

اسلام نے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے ساتھ روز اول ہی سے رواداری اور صلح جوئی کا رویہ اپناتے ہوئے انھیں مشرکین سے الگ اور ایک ممتاز مقام دیا اور ان کے ساتھ خصوصی رعایت کا معاملہ کیا۔ اور ایک نقطۂ اتفاق کی طرف بلایا:۔

یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ	اے اہل کتاب آؤ اس چیز کی طرف جو ہمارے تمہارے
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ	درمیان مشترک ہے کہ ہم سوا اللہ کے کسی کی عبادت
بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا	نہ کریں نہ کسی کو اس کا شریک بنائیں اور ہم میں سے
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا	کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا رب نہ بنائے اور اگر وہ
اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ (آل عمران ۶۴)	روگردانی کریں تو کہدو کہ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔

قرآن میں جابجا خداترس اہل کتاب کا ذکر خیر بھی ہوا اور نصاریٰ کو یہود کے مقابلے پر مسلمانوں سے زیادہ قریب اور ان کا دوست بتایا گیا۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً	آپ لوگوں میں مومنوں کا سب سے بڑا دشمن
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ	یہود اور مشرکین کو پائیں گے اور ان کے لئے
اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ	محبت میں قریب تر وہ ہیں جو اپنے کو نصاریٰ
مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا	کہتے ہیں یہ اس لئے کہ ان میں سے عالم بھی ہیں

اِنَّا نَصَارٰی ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ	اور راہب بھی اور وہ تکبر نہیں کرتے اور
قِسِّیْسِیْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ	جب وہ رسول پر اتری باتوں کو سنتے ہیں تو
لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوْا	آپ ان کی آنکھوں کو اشکبار پائیں گے اس
مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْیُنَهُمْ	سبب سے کہ وہ حق کو پہچان لیتے ہیں، اور
تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ	کہتے ہیں کہ ہمارے رب ہم ایمان لائے تو
یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ	ہمیں بھی گواہوں میں لکھ لیجئے۔
(المائدہ ۸۲۔۸۳)	

اسی وجہ سے ان سے شائستہ انداز سے مذاکرہ ومناظرہ کی ہدایت کی گئی :۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا	اہل کتاب سے مباحثہ اچھے طرز سے ہی کرو
بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِیْنَ	مگر وہ لوگ جو ان میں سے حد سے بڑھے
ظَلَمُوْا مِنْهُمْ۔ (العنکبوت ۴۶)	ہوئے ہیں۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اہل کتاب کے ساتھ ہمیشہ خصوصی معاملہ فرمایا، وفد نجران کے ساتھ آپ کا حسن سلوک سب کو معلوم ہے، آپ نے ایک بار فرمایا:۔

انا اولی الناس بعیسی بن مریم	میں دنیا وآخرت میں عیسیٰ بن مریم سے سب سے
فی الدنیا والاخرة۔ (بخاری)	زیادہ قریب ہوں۔

کتاب وسنت کی انہی تعلیمات کا یہ اثر تھا کہ مسلمانوں نے شروع سے اہل کتاب کے ساتھ مصالحت اور سیر چشمی کا رویہ قائم رکھا اور مناظرانہ بحثوں میں بھی علمی و تحقیقی انداز اپنایا اور مسیحیت کو اپنے مطالعے اور تحقیقی دلچسپیوں کا موضوع بنایا۔

علمائے اسلام میں غالباً سب سے پہلے عیسائیت پر تفصیلی انداز سے .... علامہ ابن حزم (۳۸۴-۴۵۱ھ) نے اپنی کتاب "الملل والنحل" میں قلم اٹھایا، ان کے بعد علامہ شہرستانی (م ۵۴۸ھ) نے اپنی کتاب "الملل والنحل" میں اس موضوع پر لکھا، اس کے بعد امام رازیؒ (م ۶۰۶ھ) اور قرطبی نے اپنی اپنی تفسیروں میں عیسائیت سے تفصیلی بحث کی اور ان کی غلطیوں کی نشاندہی کی اور قرآنی بیانات کا دفاع کیا، پھر شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ (۶۶۱-۷۲۸ھ) نے عیسائیوں کی "کتاب المنطیقی" کے جواب میں "الرسالة القبرصية" لکھا اور پھر وہ معرکہ آرا کتاب لکھی جو آج "الجواب الصحيح لمن بدّل دين المسيح" کے نام سے چار ضخیم جلدوں میں ہمارے سامنے ہے۔ (اس کتاب کی اردو میں تلخیص راقم الحروف کے قلم سے جاری ہے) علامہ ابن تیمیہؒ کا ردِ عیسائیت و یہودیت میں ایک اور بھی رسالہ اس نام سے ملتا ہے:-

- "اظهار تبديل اليهود والنصارىٰ للتوراة والانجيل وبيان تناقض ما بايديهم من ذلك مما لا يحتمل التاويل"۔

کے بعد ان کے قابلِ فخر تلمیذ ابن القیم (متوفی ۷۵۱ھ) نے "هداية الحيارىٰ من اليهود والنصارىٰ" لکھی جو اپنے موضوع پر کامیاب کتاب ہے۔ اس عہد کے بعد سے کئی صدیوں تک عیسائیت کے جواب میں کوئی تفصیلی و تحقیقی کتاب ہمارے علم میں نہیں، ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط کے بعد جب عیسائی مشنریوں نے اسلام پر جارحانہ حملے شروع کئے، اور زوال آمادہ و شکست خوردہ ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے مذہب سے دور اور عیسائیت

سے قریب کرنے کے لئے مشن اسکول، شفاخانے اور پریس قائم کئے اور جگہ جگہ عیسائی پادریوں نے مناظرے اور مجادلے شروع کئے تو ان کے رد و دفاع کے لئے مسلمانوں کی طرف سے مولانا سید آل حسن (م ۱۸۴۶ء) مولانا رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۷ھ) ڈاکٹر وزیر خاں، آگے بڑھے اور اپنی تحریروں اور تقریروں سے عیسائی مشنریوں کو دندان شکن جواب دیئے، خاص طور پر مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے رد عیسائیت میں بڑی پر مغز، قابل قدر اور ضخیم کتابیں لکھیں، ان کی "ازالۃ الاوہام" (فارسی) "ازالۃ الشکوک" (اردو) "اعجاز عیسوی" (اردو) اور "اظہار الحق" (عربی) مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کی "حجۃ الاسلام" "تقریر دلپذیر" اور "آب حیات" اور مذکورہ بالا افراد نے رد عیسائیت کے سلسلے میں یادگار اور تاریخی کردار ادا کیا اور پوری امت کے شکریے اور قدر دانی کے مستحق ٹھہرے۔

مرزا غلام احمد قادیانی بھی موقع کی تاک میں تھے، انھوں نے مسلمانوں میں مقبولیت حاصل کرنے اور اپنی نبوت کا راستہ ہموار کرنے کی غرض سے "براہین احمدیہ" لکھی[1]، چنانچہ ان کا یہ تیر نشانے پر بیٹھا اور مسلمانوں نے انھیں ایک متکلم اسلام کی حیثیت سے دیکھا۔

کچھ عرصے کے بعد مولانا عنایت رسول عباسی نے توراۃ و انجیل میں آنحضرتؐ کے سلسلے میں مذکور بشارتوں کو ان کے اصل عبرانی متن اور اپنی گرانقدر تحقیقات کے ساتھ اردو میں شائع کیا جو اردو میں ایک قابل قدر خدمت تھی۔ اسی دوران مولانا

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے حضرت مولانا ابو الحسن علی صاحب مدظلہ کی کتاب "قادیانیت"

عبدالحق حقانی نے اپنی تفسیر کے مقدمہ "البیان" میں بھی عیسائیت پر بہت جامع انداز میں لکھا۔

ردِ عیسائیت کے سلسلے میں حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ (م ۱۹۲۷ء) کی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں، انھوں نے اپنی علمی و روحانی بصیرت کے ذریعہ قادیانیت کے ساتھ عیسائیت کا بھی بھرپور مقابلہ کیا اور ۱۲۸۹ھ میں اس مقصد کے لئے کانپور سے "منشور محمدی" نام کا اخبار نکالا، مولانا کے معتقدین میں سے شیخ مولا بخش نے ردعیسائیت میں ایک بلند پایہ کتاب "مراسلاتِ مذہبی" لکھی، خود مولانا نے عیسائیوں کے جواب اور اسلام کے دفاع میں کئی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں "آئینۂ اسلام" اور "پیغامِ محمدی" بہت اہم مقام رکھتی ہیں۔

انگریزی میں خواجہ کمال الدین کے عقائد سے قطع نظر ان کی .... (THE SOURCES OF CHRISTIANITY) منجملہ ان کی دوسری کتابوں کے ایک اچھی کتاب ہے۔ جواب تک اپنی افادیت رکھتی ہے۔

پروفیسر نواب علی مرحوم کی کتاب "تاریخ صحفِ سماوی" اپنے موضوع پر ایک لاجواب کتاب ہے، مولانا محمد تقی عثمانی (کراچی) نے "اظہار الحق" اپنے ایسے فاضلانہ مقدمے کے ساتھ شائع کی ہے، جس سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے، یہاں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدظلہ نے بھی اپنی تفسیر ماجدی میں ردعیسائیت و یہودیت کے سلسلے میں جدید و قدیم مآخذ سے متعلق بڑا قیمتی مواد فراہم کر دیا ہے۔

عصر حاضر میں عربی میں لکھی جانے والی دو کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں،

ایک شیخ محمد عبدہ کی "الاسلام والنصرانیہ" دوسری شیخ ابو زہرہ مرحوم کی "محاضرات فی النصرانیۃ"۔

پیش نظر کتاب بھی اس سلسلے کی اچھی اور مفید کتابوں میں ہے، جس میں عیسائیت کی تاریخ، مسیحیت کے مآخذ، مسیحی کونسلوں اور نئے پرانے فرقوں اور مسیحیت کی اصلاحی تحریکوں پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے اور انجیل برنابا سے تحقیقی بحث کی گئی ہے، اور خاص طور پر قرآن مجید کے بیانات اور اس کے بتائے ہوئے خطوط پر غور و فکر کیا گیا ہے، اس طرح اردو میں یہ کتاب عیسائیت کے بے لاگ مطالعہ و جائزہ اور معروضی انداز بحث کا نمونہ کہی جا سکتی ہے۔

اس کے مصنف جامعہ ازہر کے فاضل ہیں، اور انڈونیشیا وغیرہ میں تبلیغ اسلام کے سلسلے میں کافی کام کر چکے ہیں، اور بڑی دینی غیرت و حمیت رکھتے ہیں۔

اس کتاب کو حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ نے بہت پسند فرمایا اور مجھ سے اس کے ترجمے کی فرمائش کی جس کی بحمد اللہ تعمیل و تکمیل ہو گئی۔

حضرت مولانا خود اس پر مقدمہ تحریر کرنا چاہتے تھے، لیکن اپنے مشاغل و اسفار کے سبب اس کا وقت نہیں نکال سکے، شاید کسی آئندہ فرصت میں ان کا مقدمہ زینتِ کتاب بن سکے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کتاب کو نافع اور مفید بنائے اور اس کے ذریعہ

ہدایت اور صحیح نتائج تک پہنچنے کی راہیں کھول دے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

شمس تبریز خاں، لکھنؤ

غرۂ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ

۲ مارچ ۱۹۷۶ء

مقدمہ

مقصد اور طریقۂ کار

۱۔ کتاب کا مقصد

اس کتاب کا مقصد اس کا نام ہی ہے، یعنی "مسیحیت پر روشنی" اس کتاب میں مسیحیت کو مسیحی علماء ہی کے بیانات کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے، اس میں ایسے مسیحی علماء کے بیانات ہیں، جن میں سے بعض مسلمان بھی ہو گئے، اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے، ان میں مشرق و مغرب دونوں کے علماء شامل ہیں۔

ان علماء کی تصریحات سے مسیحیت کی حالت و حیثیت واضح ہو جاتی ہے۔ پھر اس کے بعد قرآنی توضیحات ہیں، جو قرآنی الفاظ ہی میں پیش کئے گئے ہیں، اور اپنی طرف سے کوئی چیز بڑھائی نہیں گئی ہے، اگرچہ بعد میں ہم نے علمائے اسلام کے وہ بیانات بھی درج کتاب کئے ہیں، جن سے ایک مختصر تجزیہ بمالحے سامنے آتا ہے، اور مستقبل میں بحث کے لئے وہ علمی بنیادیں فراہم کرتا ہے، جن کا دعویٰ علمائے غرب کو ہے، لیکن اس پر عمل نہ کر سکے آزادی بحث

اور علم کی عزت کے ساتھ کھیلتے رہے ہیں۔

اس طرح کتاب کے دو مقصد قرار پاتے ہیں:

۱۔ علمائے مسیحیت کی تحریروں سے مسیحیت کو روشنی دکھانا۔

۲۔ مطالعۂ مسیحیت کے لئے علمی معیار اور بنیادیں فراہم کرنا، ان سے نکلے ہوئے نتائج کو بلا طعن و تشنیع کے سامنے رکھ دینا، اور ٹھنڈے دل سے سوچنے والوں کے لئے دلائل مہیا کر دینا۔

۲۔ کتاب کا طریقۂ کار

۱۔ اصل مسیحیت کا مطالعہ جسے حضرت عیسیٰؑ لائے تھے، اور جس کے لئے شاید ہم قرآن ہی کو واحد ماخذ بنا سکتے ہیں۔

۲۔ حضرت مسیحؑ کے بعد کی مسیحیت کا مطالعہ۔ اس میں ہم عیسائیوں کے مذہبی نظم سے بحث کریں گے، اور اس کے ساتھ ہی مسیحیت پر فلسفۂ یونان کے اثرات دکھائیں گے۔

۳۔ ماخذ مسیحیت۔ اس میں تورات (عہد قدیم) انجیل (عہد جدید)۔ انجیل سے کئی موضوعات وابستہ ہیں جیسے حضرت مسیحؑ سے انجیلوں کا تعلق، تاریخ تدوین، حضرت عیسیٰ کی انجیل کے بارے میں علمائے عیسائیت کا بیان، انجیل کے بارے میں بعض مسلمان مسیحی علماء کے بیانات۔ انجیل برنابا اور کلیسا کا عدم اعتراف، اناجیل کی تعداد اور ان کے کاتبین۔ الخ

۴۔ مسیحی ادارے۔ ان کے مطالعہ کی اہمیت، ان کی تعداد، ان کی سرگرمیاں اور

قرار دادیں۔

۵۔ قدیم و جدید مسیحی فرقے۔

۶۔ "اہل کتاب" کے بارے میں ہماری شخصی رائے۔

۷۔ ان قرآنی آیات کا تجزیہ جو مسیحیوں اور دوسرے اہل کتاب کے بارے میں مسلمانوں کے موقف کی وضاحت کرتی ہیں۔

ناظرین کو معلوم ہوا ہوگا کہ اس طرح یہ کتاب، سات ابواب پر مشتمل ہے۔ جو مسیحیت کا مطالعہ تو نہیں کہے جا سکتے، البتہ وہ مطالعہ مسیحیت کی اساس بن سکتے ہیں، اور مسیحیت کو جاننے کے لئے تمہید اور معیار کا کام دے سکتے ہیں، اور اس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں، جو بھی حق کا جویا، علم کا احترام کرنے والا اور صراط مستقیم کا طالب ہے، اسے روشنی ملے گی، مصری مسیحی ڈاکٹر نظمی لوقا نے اپنی کتاب "محمدؐ: پیغمبری اور پیغمبر" کے شروع میں کیا خوب کہا ہے،

> "جو روشنی کو دیکھ کر اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے، وہ روشنی کو نہیں اپنی آنکھوں کا نقصان کرتا ہے ....
>
> ...اور جو حق کے سامنے اپنے دل و دماغ کے دروازے بند کر لیتا ہے تو وہ حق کا نہیں، بلکہ اپنے ہی فکر و نظر کا زیاں کرتا ہے۔" (ص ۱۱)

خدا سے دعا ہے کہ وہ ہمارے لئے حق و معرفت کے دروازے کھول دے، ہمیں حق سے پردہ ہٹانے اور سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق بخشے۔

والحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین، سیدنا محمد و علی آلہ و اصحابہ

والداعین بدعوتہ الی یوم الدین۔

متولی یوسف چلپی

مبعوث ازہر برائے انڈونیشیا

۲۸/شوال ۱۳۸۵ھ - ۲۸/جنوری ۱۹۶۶ء

مسیحیت

جس کی تعلیم مسیحؑ نے دی تھی

حضرت عیسیٰؑ کی رسالت اگلے انبیاء کی رسالتوں کی ایک کڑی تھی۔ انبیاء لوگوں کے پاس اس لئے آئے تھے کہ لوگ اپنے مالک کی عبادت کریں، جس نے انھیں پیدا کیا، عافیت اور روزی دی، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، اس لئے کہ اس کی ذات فرد فرید، یکتا، اور بے نیاز ہے۔ انبیاء کی دوسری تعلیم نماز، زکوٰۃ اور تقویٰ کی تلقین تھی۔

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي
نَبِيًّا وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ
وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ
حَيًّا وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا
شَقِيًّا۔ (سورۂ مریم ۳۰-۳۲)

عیسیٰؑ نے کہا میں خدا کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔ اور مجھے بابرکت بنایا ہے جہاں بھی رہوں اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت کی ہے جب تک زندہ رہوں، اور مجھے اپنی والدہ کا فرمانبردار بنایا ہے، اور مجھے سنگدل اور بدبخت نہیں بنایا ہے۔

قرآن مجید میں اسی احترام اور التزام کے ساتھ مسیحیت کے نقوش اجاگر کئے گئے ہیں،

سورہ مائدہ میں ہے:

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ
قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ
لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ
قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ
وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ
عَلَّامُ الْغُيُوْبِ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ
بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ
وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ
فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ
عَلَيْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ۔

(المائدہ ۱۱۶، ۱۱۷)

اور جب اللہ تعالےٰ نے فرمایا اے عیسیٰ بن مریم
کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ان کو
خدا کے بدلے معبود بنا لو؟ عیسیٰ نے کہا آپ کی
ذات پاک ہے مجھے کیا حق تھا کہ میں وہ بات کہتا
جو مجھے زیبا نہیں، اگر میں نے کہا ہے تو وہ آپ کے
علم میں ہے آپ میرے جی کا حال جانتے ہیں،
لیکن میں آپ کے دل کی بات نہیں جان سکتا
آپ تمام غیبی باتوں کو خوب جانتے ہیں میں نے
ان سے وہی کہا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ
اپنے اور میرے رب کی عبادت کرو، اور میں
جب تک ان میں رہا ان کے حالات کو دیکھتا رہا،
لیکن جب آپ نے مجھے اٹھا لیا تو آپ ہی ان کے
نگراں تھے اور آپ تو ہر چیز کے نگراں اور
گواہ ہیں۔

یہ آیتیں میدانِ قیامت میں حضرت عیسیٰؑ کے موقف کی وضاحت کرتی ہیں، جس دن خدا تمام رسولوں کو جمع کرے گا، آیات یہ بھی بتاتی ہیں کہ وہ ایک وحی شدہ شریعت لے کر آئے تھے، اور وہ اپنے تبعین کے افعال سے بری ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ جو دین لے کر آئے تھے اس کی تصویر سورہ ”شوریٰ“ میں اس طرح آئی ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ
نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ وَمَا
وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی
اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ
كَبُرَ عَلَی الْمُشْرِكِیْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَیْهِ
اَللّٰهُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْٓ
اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ
بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًا بَیْنَهُمْ
وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓی
اَجَلٍ مُّسَمًّی لَّقُضِیَ بَیْنَهُمْ وَاِنَّ
الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ
لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ۔
(الشوریٰ ۱۳، ۱۴)

خدا نے تمہارے لئے وہی دین بنایا ہے جس کی
وصیت نوحؑ کو کی تھی، اور جسے ہم نے آپ تک
بھیجا ہے، اور جس کی وصیت ابراہیمؑ موسیٰؑ
وعیسیٰ کو کی تھی کہ دین کو قائم رکھنا، اور اس میں
جھگڑا نہ کرنا مشرکین پر وہ چیز بھاری ہے جس کی
طرف آپ انھیں بلا رہے ہیں، اللہ جس کو چاہتا ہے
اپنا بنا لیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے اپنی راہ
دکھا دیتا ہے، لوگوں نے علم آنے کے بعد ہی
آپسی سرکشی کے ساتھ اختلاف کیا، اور اگر ایک
مقررہ مدت آپ کے رب کی طرف سے نہ طے
ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا، اور
جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب ملی ہے، وہ اسکی
طرف سے شک وشبہ میں مبتلا ہیں۔

جس طرح انبیاء پر اترا ہوا دین ایک تھا، اسی طرح ان کا مقصد بھی ایک ہی تھا، اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ
اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا
فَاعْبُدُوْنِ۔ (الانبیاء ۲۵)

ہم نے آپ سے پہلے جب بھی کوئی رسول بھیجا تو
اسے یہی تعلیم دی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں
اس لئے میری ہی عبادت کرو۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا

ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ خدا کی عبادت کرو

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ	اور شیطان سے بچو۔
وَاسْأَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ	اور جن رسولوں کو ہم نے آپ سے قبل بھیجا تھا،
اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً	ان سے پوچھئے کہ کیا خدا کے سوا ہم نے کچھ اور
يُّعْبَدُوْنَ۔ (زخرف۔ ۴۵)	معبود بنائے تھے کہ ان کی عبادت کیجائے!

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ انبیاء کا ہدف اور مقصد ایک ہوتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اپنے مخاطب لوگوں کو صرف خدا کی عبادت اور تقویٰ کی طرف بلائیں، اسی لئے قرآن رسالت مسیحؑ کو حضرت موسیٰؑ اور دوسرے انبیاء کی دعوت و رسالت کی تکمیل قرار دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کا اشاد ہے:

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ	ہم نے ان انبیاء کے بعد عیسیٰؑ کو جانشین بنایا
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ	کہ وہ اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق
وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ	کریں، اور ہم نے انھیں انجیل دی جس میں ہدایت
وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ	اور نور تھا، اور جو اپنے سے پہلی کتاب تورات
وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ۔	کی تصدیق کے لئے اتاری گئی اور جو متقین کے لئے
(المائدہ۔ ۴۶)	ہدایت اور نصیحت تھی۔

اس طرح عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت، رسالت موسوی کی توسیع اور تکملہ تھی، اسی لئے قرآن حضرت موسیٰؑ کی توریت کو امام، اور قابلِ اتباع قرار دیتا ہے، اس لئے کہ وہ یہودیوں کے لئے شرعی اساس کی حیثیت رکھتی تھی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً	اور عیسیٰ سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب امام و رحمت
وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا	بن کر آئی اور یہ کتاب (قرآن) بھی اگلی شریعتوں کی

لِيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ

(الاحقاف - ۱۲)

مصدق ہے اور عربی زبان میں ہے تاکہ ظالموں کو ڈرائے اور نکوکاروں کے لئے بشارت بنے۔

اور رسالت عیسوی کی تفسیر کے لئے ارشاد ہے:

وَلَمَّا جَاءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ
قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ
بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاَطِيْعُوْنِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ
فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ۔

(زخرف ۴۳ ۶۳، ۶۴)

اور جب عیسیٰ کھلی دلیلیں لے کر آیا اور کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں اور اس لئے آیا ہوں کہ تم جن باتوں میں جھگڑتے ہو انھیں واضح کر دوں تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے اس لئے اسی کی عبادت کرو یہی صراط مستقیم ہے۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ
وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ
وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَاَطِيْعُوْنِ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ
فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ۔

(آل عمران - ۵۰ - ۵۱)

اور (عیسیٰ نے کہا) کہ میں اپنے سے پہلے والی کتاب توراۃ کی تصدیق کروں اور تاکہ تم پر حرام کی ہوئی کچھ چیزوں کو حلال کر دوں اور تمہارے رب کے پاس سے نشانی لے کر آیا ہوں، تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی تو اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے

اسی طور پر حضرت عیسیٰؑ کی مسیحیت اس الٰہی رسالت کے عظیم سلسلہ ہی کی ایک کڑی تھی جس میں لوگوں کو اللہ کی عبادت اور تقویٰ کی تلقین کی گئی تھی، اسی لئے مسیحیت میں بھی

خدا کی وحدانیت اور شرک سے نفرت مشترک تھی، صرف خدائے واحد کی طاعت وعبادت پر زور تھا، اس کے احکام اور شریعت کی پابندی اور اخلاق فاضلہ اور عادات حسنہ کی تلقین موجود تھی۔

اس کے بعد ان باتوں میں کمی زیادتی ہی کو غلو اور کفر کہا گیا ہے، اسی لئے قرآن نے حضرت عیسیٰؑ کی اپنی قوم کو نصیحت اور خدائے وحدہ لاشریک کی طرف دعوت کا ذکر اس طرح کیا ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ	یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہا کہ اللہ
هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ	تو مسیح بن مریم ہی ہیں اور مسیح نے کہا اے
يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ	بنی اسرائیل اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا
وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ	بھی رب ہے، اور تمہارا بھی جو خدا کے ساتھ
حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ	شرک کرتا ہے، تو اللہ نے اس پر جنت حرام کردی
وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۔	ہے، اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور ظالموں کا
(المائدہ۔ ۷۲)	کوئی مددگار نہیں۔

اور یہ رسالت عیسوی کوئی عام اور عالمگیر رسالت نہ تھی، بلکہ قوم بنی اسرائیل کیلئے مخصوص تھی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنِّيْ	اور بنی اسرائیل کی طرف رسول بن کر آیا اور
قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔	تمہارے رب کے پاس سے نشانی لے کر آیا
(آل عمران۔ ۴۹)	ہوں۔
وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	اور جب عیسیٰ نے کہا اے بنی اسرائیل میں

اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ	تمہارے لئے خدا کا رسول ہوں اور اپنے سے
یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ	قبل کی کتاب توریت کی تصدیق کرنے والا اور
یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ فَلَمَّا	اس رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے
جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا	بعد آنے والا اور جس کا نام احمد ہے، تو جب
سِحْرٌ مُّبِیْنٌ۔	وہ رسول ان کے پاس بینات لے کر آیا تو وہ
(الصف - ٦)	کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

اور انجیل برنا باکی فصل ۴۳، ۴۴ میں ان قرآنی خصوصیات کی مزید تفسیر ہے، جیسا کہ انجیل متی میں ہے کہ:

"میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے آیا ہوں[1]"

اس تصریح کے بعد اس لازمی نتیجہ سے مفر نہیں کہ مسیحیت حضرت موسیٰؑ کی مخصوص شریعت کی تکمیل کے لئے آئی تھی، جو توحید کی دعوت اور لوگوں کی بلند اخلاقی تربیت پر مشتمل تھی، اور اس کے سوا جو کچھ ہے، وہ کذب و افترا ہے۔

اس طرح مسیحیت اپنے موقف کو ان باتوں کے ذریعہ متعین کر لیتی ہے (۱) خدا کی توحید اور اسکی عبادت کی دعوت۔ (۲) رسالت عیسوی، رسالت موسوی کی فقط تکمیل تھی، (۳) خدا کی بھیجی ہوئی اصل عیسائیت پر زیادتی یا کمی ناممکن ہے، اسی لئے قرآن حکیم نے بار بار ذات باری کے بارے میں غلو اور بے راہ روی سے ڈرایا ہے، اور حضرت مسیحؑ کی حیثیت واضح کر دی ہے کہ:

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ	اے کتاب والو اپنے دین میں زیادتی نہ کرو اور

---

[1] متی ۲۴۔

وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ، اِنَّمَا الْمَسِيْحُ
عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ
اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا
بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ، وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلَاثَةٌ
اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
سُبْحَانَهٗ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِى
السَّمٰوَاتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
وَكِيْلًا ــ (النساء ـ ۱۷۱)

خدا کے بارے میں حق ہی کہو، مسیح (عیسیٰ ابن مریم)
تو اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں، جسے اس نے مریم
تک پہنچایا تھا، اور وہ خدا کی روح میں سے ہے تو
خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور تین خدا
نہ کہو اس سے رک جاؤ یہی تمہارے لئے بہتر ہے
خدا تو ایک ہی ہے، اس کی ذات اس سے بلند ہے کہ
اس کا کوئی لڑکا ہو اس کا تو وہ سب کچھ ہے جو
آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اللہ کی ذات بحیثیت
وکیل و نگراں بہت کافی ہے۔

جو مسیحیت حضرت مسیح لائے تھے اس کی ایک سچی تصویر، قرآن کریم سے پیش کی گئی ہے (جو اب مسیحیت کا واحد اہم ماخذ و مصدر ہے)۔ اور اس کے ساتھ ہی معروضی علمی بحث کے نتائج بھی سامنے لائے گئے ہیں، ۔ للہ عاقبۃ الامور۔

قرآن ہی مسیحیت کا مآخذ کیوں؟

یہاں ایک اعتراض ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی لائی ہوئی مسیحیت کی تحقیق میں میرا مصدر و مآخذ صرف قرآن مجید ہی کیوں رہا؟ اس کا جواب یہی دینا پڑتا ہے کہ قرآن ہی وہ مستند واحد علمی و تاریخی ذریعہ ہے جو حضرت آدمؑ سے رسول اکرمؐ تک کی آسمانی رسالتوں کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے، اس کے سوا آج دنیا میں ایسی کوئی آسمانی یا انسانی کتاب موجود نہیں جس کا علمی مقام اتنے عرصہ تک قائم رہا ہو اور اس کے حروف و رسم الخط اور اختلاف

قرأت تک محفوظ ہوں اس لیے اصل مسیحیت کی تحقیق و تلاش کی راہ میں قرآن کی روشنی میں چلنا کوئی تعصب نہیں بلکہ ایک صحیح علمی اور قابل احترام طریقہ ہے۔ یہاں اس طریقہ کے اختیار کرنے کے یہ چند معقول دلائل ہیں۔

۱- اس لئے کہ اختلاف و تضاد کے سبب انجیل کو تاریخی و علمی استناد و اعتماد حاصل نہیں، اگرچہ بعض لوگوں نے انجیلی تناقضات کی دفاع کے لئے کوشش کی ہے، جیسا کہ پادری بوطرفی نے اپنے رسالہ "الاصول والفروع" میں اور پادری ابراہیم سعید نے "بشارتِ لوقا" کی شرح میں ایسی ہی بے فائدہ ہمت کی ہے۔

۲- اس لئے کہ وہ خود ان اسلام لانے والے مسیحی علماء کی تنقید کا نشانہ بھی بنتی رہی ہے جو تلاشِ حق کی راہ میں سرگرداں رہے ہیں، جیسے "موسیو اٹین ڈینیہ" جو ایک فرانسیسی مصور تھے اور جن کی فنی عبقریت نے انھیں الوہی حقائق تک پہنچایا اور انھوں نے ۱۹۲۷ء میں اپنے اسلام کا اعلان کر دیا، انھوں نے اپنے مذاہب عالم کے تاریخی، نفسیاتی، اور روحانی جائزہ میں اناجیل کے بارے میں لکھا ہے:

> "وہ انجیل جسے اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو ان کی اور ان کی قوم کی زبان میں بھیجا تھا، اس کے بارے میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ ضائع اور گم شدہ چیز ہے۔ اور اب اس کا کوئی اثر نشان بھی نہیں رہ گیا ہے۔"[1]

۳- اسی طرح وہ غیر مسلم مسیحی علماء کے شدید اعتراض کا نشانہ بھی بنی ہے، جیسے ڈاکٹر نظمی لوقا کا کہنا ہے کہ:

> "مسیحیت سے میری مراد وہ ہے جو حضرت مسیحؑ کی تعلیمات اور ان کی تصریحات

---

[1] اشعۃ خاصۃ بنور الایمان ص ۱۴۱، ۱۴۲۔

پر مبنی ہے نہ کہ وہ جو ان کے کلام اور سیرت میں بعد کے اضافے اور تاویلیں ہیں[1]۔"

۴۔ اس کے مقابل میں ہم قرآن کو دیکھتے ہیں کہ مسیحی حلقوں میں بھی اس کی علمی حیثیت مسلم ہے، اور ہم ان کے پڑھے لکھے طبقہ کو قرآن کی تاریخیت اور استناد کا احترام کرتے ہوئے، اور اس کے تسلسل و تواتر کا معترف پاتے ہیں، چنانچہ فرانسیسی مستشرق استاذ "دیمومبین" نے اسلام پر اپنی کتاب میں لکھا ہے:

> "منصف مزاج آدمی یہ کہنے پر مجبور ہے کہ موجودہ قرآن، وہی قرآن ہے، جسے محمد صلے اللہ علیہ وسلم تلاوت کرتے تھے[2]۔"

سر ولیم میور اپنی کتاب (لائف آف محمد) میں کہتا ہے:

> "وحی مقدس ارکان اسلام کی اساس تھی، اسی کے ساتھ روزانہ کی نمازوں میں قرآن مجید کی تلاوت لازمی جز تھی، خواہ وہ نماز فرض ہو یا نفل، اور فرض و سنت نمازوں میں قرآن کی تلاوت باعث ثواب ہے، یہ رائے سنت اور خود قرآن کے مطابق ہے، اسی لئے بیشتر اگلے مسلمانوں کے حافظے نے قرآن کو محفوظ کر لیا تھا[3]۔"

اسی لئے ان تمام حقائق کے پیش نظر اصل مسیحی عیسائیت کے مآخذ کے لئے قرآن کریم کو مستند سمجھنا ایک علمی اور بڑا اعتماد طریقہ ہے۔ قرآن کے سوا ہمارے سامنے

---

[1] الرسالۃ والرسول ۔ ۵۸ [2] التفکیر الفلسفی فی الاسلام: الدکتور عبد الحلیم محمود ۳۴

[3] حیاۃ محمد: محمد حسین ہیکل ۔ ۱۰۱

ایسا کوئی اور مآخذ نہیں، جو حقیقت شناس نظر کی تسلی کر سکے۔ اور جو مضبوط علمی بنیادوں پر قائم ہو، "ومن اصدق من اللہ حدیثا" اور خدا کے سوا دوسرا کون صادق القول ہے؟

تاریخ مسیحیت

حضرت عیسیٰؑ کے بعد

حضرت عیسیٰؑ پر یہود اور رومیوں کے مظالم

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چند مادی اور محسوس معجزات سے نوازا تھا جن کے سبب انھوں نے گہوارۂ طفلی ہی میں لوگوں سے بات چیت کی اور ان سے کہا:

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ	عیسیٰ نے کہا میں خدا کا بندہ ہوں اس نے
نَبِیًّا ۝ (مریم - ۳۰)	مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے
أَنِّیْ أَخْلُقُ لَکُمْ مِنَ الطِّیْنِ کَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ	اور میں تمہارے لئے مٹی سے چڑیا کی شبیہ بنا سکتا اور اس
فَأَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِإِذْنِ اللّٰهِ	میں (روح) پھونک سکتا ہوں تاکہ وہ خدا کے حکم سے
وَأُبْرِئُ الْأَکْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْیِ	چڑیا بن جائے اور اندھے اور کوڑھی کو شفا دے سکتا
الْمَوْتٰی بِإِذْنِ اللّٰهِ وَأُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَأْکُلُوْنَ	اور مردے کو خدا کے حکم سے زندہ کر سکتا ہوں اور

وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ؕ	تم جو کھاتے اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ
(آل عمران ۴۹)	کرتے ہو بتا سکتا ہوں۔

اور ان معجزات کی حکمت یہ تھی کہ خدا کی حکومت و جبروت کا یہودی عقل پر چھائے ہوئے فکری الحاد کے مقابلے میں اظہار و اعلان ہو جائے، جو اس وقت قول و عمل سے روح کا انکار کر رہی اور ہر موجود چیز کی تخلیق کے اسباب و علل اور غرض و غایت کی مادی تفسیر کر رہی تھی، اور اس مادی تعبیر نے نظریہ (THEORY) اور عمل (PRACTICE) کی شکل اختیار کر لی اسی لئے حضرت عیسیٰ کو دیئے گئے معجزات مادی فکر کے لئے ایک چیلنج ثابت ہوئے اور انھوں نے معاشرہ مادہ پرستی کی آلودگیوں سے نکلنے اور روحانی پاکیزگی تک پہنچنے کی راہ ہموار کی، اور انسان کے روحانی شعور کو خدا کی عظمت و جلال سے آگاہ کرایا۔

اس زمانے کے بھی یہودیوں کے دل شکستہ و آزردہ ہو چکے تھے، اس لئے حضرت عیسیٰؑ دلوں کو نرمانے والی تعلیم کے ساتھ مبعوث ہوئے، اور یہود اور اہل سامرہ کے درمیان مساوات کا اعلان کیا جنھیں یہودی غلام، اچھوت، اور ذلیل لئے ہوئے تھے۔

چنانچہ انہی دو اسباب (یعنی رسالت عیسوی اور یہودی مزاج کے اختلاف اور یہودیوں اور سامریوں کے درمیان قائم کردہ مساوات) کی وجہ سے (حضرت داؤدؑ کی زبان سے لعنت زدہ) یہودیوں نے حضرت مسیحؑ کی مخالفت شروع کر دی، یہ مخالفت ہمیشہ سے ان کی فطرت ثانیہ رہی ہے، قرآن کا ارشاد ہے:

كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُولٌۢ بِمَا لَا تَهْوَىٰٓ	جب بھی ان کے پاس کوئی رسول ان کے
أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا	مزاج کے خلاف چیز لے کر آیا تو ان میں سے

يَقْتُلُوْنَ (المائدہ ـ ۷۰) ایک فریق نے جھٹلایا اور دوسرے نے قتل و فساد مچایا۔

چنانچہ یہودی سرمایہ داروں نے حضرت مسیحؑ کی مخالفت کا اعلان کر دیا اور رومی حکومت کو ان کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا لیکن اس معاملہ میں اسی سبب سے دیر ہوئی کہ اور رومیوں نے یہود کی بات اَن سنی کر دی کہ رومی یہودیوں کے معاملات میں دخل نہیں دینا چاہتے تھے، اور رومی حکومت کی نظر میں یہود اور حضرت مسیحؑ کا اختلاف ایک گھریلو جھگڑے کی نوعیت رکھتا تھا، اس لئے حکومت کو اس سے دلچسپی نہیں تھی، بلکہ اسے قیام امن، اور نظم و ضبط زیادہ عزیز تھا، اسی کے ساتھ یہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ سیدنا عیسیٰؑ نے کسی رسالت عامہ کا اعلان نہیں کیا تھا بلکہ انھوں نے اپنی مہم، اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش، بتائی تھی۔

انھوں نے اپنی دعوت میں کسی عالمی تنظیم، اور حکومت و سیاست کا رنگ بھی نہیں اختیار کیا تھا اس لئے کہ وہ ابھی دعوت کے ابتدائی مراحل، ایمان و عقیدہ کا استقرار، جماعت کی تشکیل وغیرہ ہی سے نہیں فارغ ہو سکے تھے ــــــ حضرت مسیحؑ کی دعوت کا خلاصہ، وجدانی اصلاح، روح اور نفس انسانی کی نظافت و طہارت کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

پیمبرانہ دعوت ہمیشہ خدائی اصول کے مطابق چلتی ہے، اللہ تعالیٰ ہی اس کے راستے متعین کرتے اور اس کے بارے میں فیصلے فرماتے ہیں، حضرت عیسیٰؑ بھی خدا کے ان رسولوں میں سے ایک تھے، جو خدا کا پیغام پہنچاتے تھے، اور اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے، اس لئے رومی حکومت کو مسیحی دعوت سے کوئی خطرہ نہیں تھا، اور

اسی وجہ سے اس نے یہودی خاندان کے اس جھگڑے سے اپنے کو الگ رکھنا پسند کیا، اور اسی وجہ سے یہودی، حضرت عیسیٰ کے خلاف اپنے حیلوں میں ناکام رہے لیکن بالآخر خدا کی قدرت و مشیت سے یہود نے حضرت مسیحؑ کی تکذیب اور ایذا دہی شروع کر دی اور رومی حکومت بھی حضرت مسیحؑ کی دشمن بن گئی اور انھیں پھانسی کی سزا سنا دی۔

رومی حکومت کے اس فیصلے پر پہنچ کر ہم اس بحث کو یہیں چھوڑتے ہیں، اس لئے بحیثیت مسلمان کے ہمارا اس قرآنی صراحت پر عقیدہ ہے کہ:

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ	نہ لوگوں نے مسیحؑ کو قتل کیا نہ پھانسی دی بلکہ انکے
شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا	لئے شبہ پیدا کر دیا گیا، اور جو لوگ ان کے بارے میں
فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ	اختلاف کرتے ہیں وہ بھی ان کی طرف سے شبہ میں
مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا	مبتلا ہیں، انھیں اس کا کوئی علم نہیں سوا خام خیالی
قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ	کے، اور انھوں نے اسے یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ
وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔	اسے اللہ نے اپنی طرف اٹھایا اور اللہ غالب
(النساء- ۱۵۷، ۱۵۸)	اور حکمت والا ہے۔

قرآن کی بیان کردہ اس حقیقت کو تاریخ و تحقیق بھی تسلیم کرتی ہے، اس لئے کہ قرآن خود تاریخ و تحقیق کا ایک مستند ترین ماخذ ہے جس سے اگلے مذاہب اور ماضی کے حوادث معلوم ہوتے ہیں، اور اس کے سوا دوسرے تاریخی حقائق، ظن و تخمین سے زیادہ وقیع نہیں، یہاں سے مسیحیت کے خلاف خود حضرت مسیحؑ کی زندگی ہی میں دینی مظالم شروع ہو جاتے ہیں، جس کے تین دور کئے جا سکتے ہیں،

۱- یہودیوں کی ریشہ دوانیوں کا دور جب انھوں نے تکذیب و افترا شروع کیا۔

۲۔ رومی حکومت کا دور جب اس نے قرآن کے بیان کے ...... مطابق حضرت مسیحؑ کو پھانسی دینے کی کوشش کی لیکن اللہ نے انھیں اپنے پاس بلالیا، یا جیسا کہ مسیحی لفیرو کا کہنا ہے کہ رومی حکومت نے یہود کی چغل خوری کے نتیجہ میں حضرت مسیحؑ کو پھانسی دیدی' اور یہ زمانہ حضرت مسیحؑ کے معاصر بادشاہ طیباروس کا تھا۔

۳۔ پھر دینی مظالم کا تیسرا دور حضرت مسیحؑ کے بعد شروع ہوتا ہے، اور اس کے بھی چار اہم ادوار ہوتے ہیں جن میں انسان کے شعور اور طاقت سے کہیں زائد مظالم ہوئے

دینی مظالم کے چار دور

حضرت عیسیٰؑ کے عیسائیوں پر مظالم کے یہ چار دور کئے جاسکتے ہیں:

۱۔ عہد نیرو سنہ ۶۴ء

۱۔ عہد تراجان سنہ ۱۰۶ء

۳۔ عہد ڈیسی لیس سنہ ۲۴۹-۲۵۱ء

۴۔ عہد دقلدیانوس سنہ ۲۴۰ء

یہ چار دور ظلم وظلمت' اور وحشت و بربریت کے لئے بہت ممتاز کہے جاسکتے ہیں' جن میں مسیحیت اپنی ابتدا میں دینی مظالم کا نشانہ بنی، ہم ان مظالم کو یہاں مختصراً بیان کریں گے اس لئے کہ مسیحیت کے سر جو کچھ گزری اس سے ہم سب مسلمانوں کو بھی افسوس ہوتا ہے، اور مسلمانوں کو قرآن کا یہ حکم بھی ہے کہ وہ آدمیت کا احترام اور خصوصاً اہل کتاب سے حسن سلوک کریں۔

اگر مسیحیت کی تحقیقات کے سلسلے میں یہ مرحلہ اہم نہ ہوتا تو اسے ہم ترک کردیتے

لیکن تاریخ مسیحیت کے طالب علم کے لئے ان حالات و حوادث کا مطالعہ ناگزیر ہے جن سے حضرت مسیحؑ کے بعد مسیحیت دوچار ہوئی، اس مطالعہ ہی سے تاریخ میں مسیحیت کا مقام و کردار اور اس کی سماجی اہمیت واضح ہو سکتی ہے، اس لئے ہم مسیحیت پر بحث کی بنیاد کے طور پر ان مظالم پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں:

دینی مظالم نیرو کے عہد ۶۴ء میں

نیرو نے مسیحیوں پر روم کے جلانے کا الزام رکھ کر ان پر طرح طرح کے ظلم کرنا شروع کر دیئے۔ ان مظالم کا اندازہ اس سے ہوگا کہ اس نے مسیحیوں کو جانوروں کی کھال میں بھر کر کتوں کے آگے ڈال دیا۔ کچھ لوگوں کو گرم تارکول کی چادریں پہنائی گئیں، اور انھیں ستونوں پر مشعل کی طرح کھڑا کر کے جلا دیا گیا، اور رات میں اس طرح روشنی کا انتظام کیا گیا، اور مسیحیوں کے بدن کی چربی سے اپنے لئے موم بتیاں بنا کر ان کی روشنی میں وہ یہ تماشہ دیکھتا تھا۔ اسی دہشت ناک ماحول اور گھٹی ہوئی فضا میں انجیل مرقس ۶۶ء اور انجیل لوقا مرتب کی گئیں۔

دینی مظالم عہد ٹراجان ۱۰۶ء میں

خوش قسمتی سے نیرو کے جانشین اس کے مظالم سے الگ رہے۔ اور اس طرح مسیحیوں کو کچھ عرصہ تک اطمینان کی سانس لینے کا موقع ملا لیکن تقدیر نے انھیں پھر ایک نئے امتحان میں مبتلا کر دیا، اور ظالم و سخت گیر ٹراجان کے عہد میں مسیحی فرار ہونے اور خفیہ عبادت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس پر بھی وہ انھیں ان کے گھروں کے اندر بھی سزا دیتا تھا، اس نے

خفیہ اجتماعات پر بھی پابندی لگا دی اور انفرادی نماز کو بھی اس نے خفیہ کارروائی قرار دے کر قابل سزا ٹھہرا دیا لیکن یہ سب اس لئے تھا کہ مسیحی رومیوں کے سرکاری مذہب: بت پرستی کو چھوڑ کر ایک نئے مذہب کی پیروی کرتے تھے۔

کتاب 'تہذیب' کا مصنف لکھتا ہے کہ:

> "بلین نے۔ جو رومیوں کی طرف سے ایشیا کا حاکم تھا، مسیحیوں کے بارے میں اپنی حکومت کے سخت رویہ کے بارے میں لکھا تھا کہ: میں ان سے سوال جواب میں مسیحیت کا اقرار کرنے پر انھیں قتل کی دھمکی دیتا ہوں، اگر وہ دو تین بار اپنے مذہب کا اقرار کر لیتے ہیں تو میں انھیں پھانسی کی سزا دیتا ہوں، اور انھیں محسوس کرا دیتا ہوں کہ یہ ان کی اس شدید غلطی کی سزا ہے۔
>
> اور بعض مسیحی فرد جرم میں اپنا نام دیکھ کر اپنی مسیحیت کا انکار بھی کر بیٹھتے ہیں اور بتوں کا نام لینے لگتے ہیں، دیوتاؤں اور بتوں پر وہ شراب اور بخور بھی چڑھانے لگتے حتیٰ کہ مسیح کو گالی بھی دیتے ہیں۔"

دینی مظالم ڈیسی لیس کے عہد ۲۴۹-۲۵۱ء میں

اسکندریہ کے بطریک نے ڈیسی لیس کے ظالمانہ عہد کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

> "ہمیں سانس لینا دوبھر ہو گیا تھا، اور ہم خوف و دہشت کی فضا میں جی رہے تھے۔ پہلا بادشاہ کچھ رحم دل تھا، لیکن اس کے بعد دوسرے نے آتے ہی ہمیں تیکھی نظروں سے دیکھا اور ہم پر ظلم ڈھانا شروع کر دیا۔ اس کے بارے میں ہمارا یہ پہلے ہی سے اندازہ تھا، اس وقت یقین سے بدل گیا جب اس نے سخت گیری کا

حکم دیا اور مسیحیوں نے بھاگنا شروع کر دیا، اور ایک ایک عیسائی کو حکومت سے برطرف کر دیا گیا، خواہ اس کی صلاحیت کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ بعض عیسائیوں کو بھیڑے پر سوار کر کے مندر لایا جاتا ہے، اور وہاں کے بت پر چڑھاوے کا مطالبہ ہوتا ہے، اور جو ذبیحہ سے انکار کرتا ہے، اس کی سزا خود ہی ذبیحہ بننا ہے۔ لیکن یہ انجام ڈرانے دھمکانے کے بعد پیش آتا ہے۔ کتنے ضعیف الایمان مسیحیوں نے مسیحیت سے توبہ کر لی اور اکثر نے راہ فرار اختیار کر لی اور کتنوں کو جیل کی کال کوٹھریوں میں ڈال دیا گیا۔[1]

دینی مظالم دقلدیانوس کے عہد ۲۸۴ء میں

جب مصر نے دوسرے ممالک کی طرح رومیوں سے گلوخلاصی کی کوشش شروع کی تو مصر کے رومی حاکم دقلدیانوس نے تحریکِ حریت اور احرار کو کچل کر رکھ دیا۔ اس تحریک کو دبانے کے لئے ہزاروں سروں سے کھیلا گیا۔

ان رومی مظالم کا شکار ہونے والے مسیحیوں کے بارے میں مؤرخین کا اندازہ ہے کہ ان کی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار (۱۴۰۰۰۰) سے کم نہیں۔ اسی وجہ سے مصری قبطی اپنی تقویم (جنتری) کی ابتدا انہی حوادث سے کرتے ہیں، تاکہ انہیں اپنے عوام پر رومی مظالم یاد رہیں۔

ان حادثات کو سامنے رکھ کر مسیحی تاریخ اور تہذیب کے طالب علم کے ذہن میں یہ سوال ابھرتے ہیں کہ:

۱۔ کیا مسیحیت کے تسلسل کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔

---

[1] تاریخ الامۃ القبطیہ ۱/۱۰۶-۱۰۷۔

۲۔ کیا مسیحیت ایک الٰہی نظام کی حیثیت سے سیدنا عیسیٰؑ یا ان کے بعد وجود میں آسکی؟

۳۔ کیا ان انجیلوں میں، جو مسلسل دینی مظالم کے پرآشوب دور میں لکھی گئیں آسمانی کتاب کے اوصاف برقرار رہ سکے ہیں، یا رہ سکتے تھے؟

۴۔ کیا دینی مظالم کے اس بھیانک سائے میں انجیل کے مرتبین اس علمی غیر جانبداری اور معروضی انداز کو برقرار رکھ سکتے تھے جس کا مطالبہ آج کے مسیحی دانشور کرتے ہیں؟

۵۔ ان زمانوں میں لکھی گئی انجیلوں کے استناد کو تاریخ کس حد تک تسلیم کرتی ہے۔ اور ان کے لکھنے والوں کے بارے میں تاریخ و تحقیق ہمیں کیا بتاتی ہے جبکہ ان کے لکھنے کے وقت ایسے پرسکون حالات نہیں تھے جن میں کوئی علمی بحث غیر جانبدارانہ انداز میں سامنے آتی ہے۔؟

اس لئے تمام مسلم اور غیر مسلم محققین کو ان تمام حقائق کو بھی سامنے رکھنا چاہیے۔

* * *

مسیحی عقائد میں فلسفہ کی آمیزش

امتزاج مغرب میں

مجوسی ایرانیوں اور بت پرست رومیوں کے درمیان ہونے والی جنگوں میں رومی بادشاہوں کا یہ واضح رویہ سامنے آیا کہ وہ ایرانیوں سے ممتاز ہونے کے لئے وہ بھی ایک قومی مذہب اپنائیں، اسی موقع پر رومی حکومت کے سامنے صرف مسیحی مذہب ہی تھا جس کے خلاف رومی حکمراں برسوں صف آرا رہے، چنانچہ رومی حکام سیاسی مصلحت کے تحت عیسائی بن گئے اور اس طرح مسیحیوں پر دینی مظالم ختم ہو گئے اور قسطنطین کا عہد مسیحیوں کے لئے عہد سعادت بن گیا۔

اس منزل کے بعد مسیحیت نے چند نئے قدم اٹھائے وہ یہ کہ روم کی بت پرست اور فلسفیانہ تہذیب کے ساتھ فکری طور پر مزاحم اور معرکہ آرا ہو گئی، جس کے بارے میں فندلند لکھتا ہے کہ:

”فلسفہ نے دینی خیالات کی تہذیب و ترتیب اور تزئین کی خاطر یونانی علوم سے

کام لیا تاکہ وہ بے چین دینی شعور کے سامنے دنیا کے بارے میں ایک قابل قبول نظریہ رکھ سکے، چنانچہ اس طرح ماورا ءطبیعات پر مشتمل چند دینی نظام سامنے آ گئے جو دوسرے نظاموں سے کسی حد تک متفق تھے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسیحیت کے تشکل پذیر ہونے سے پہلے رومی حکومت میں تین مذہب تھے:-

۱۔ حکومت کا سرکاری مذہب یعنی بت پرستی۔

۲۔ یہود کا قومی مذہب یہودیت جس میں حکومت دخل انداز نہیں ہوتی تھی۔

۳۔ حضرت عیسیٰ کا مذہب جس کے خلاف رومی سلطنت اور یہودی تھے اور جو روم کا مذہب بن گیا۔

دینی مظالم کے دوران یہ دو مختلف رجحانات سامنے آئے کہ کچھ مسیحی رومی بت پرستی میں داخل ہو گئے لیکن ان کے دل و دماغ اور ان کی ہمدردیاں مسیحیت ہی کے ساتھ رہیں، دوسرا یہ کہ رومی بت پرست عہد مظالم کے بعد مسیحیت میں داخل ہوئے لیکن وہ بھی اپنی بت پرستی کو بھلا نہیں سکے۔

اسی کے ساتھ اسے بھی پیش نظر رکھئے کہ روما کے اجتماعی حالات، لوگوں میں مسیحیت کے گہرے طور پر اثر انداز ہونے کے خلاف تھے، رومی سلطنت بھی گہرے طبقاتی فرق و امتیاز کا شکار تھی، چنانچہ جہاں ہم خوش حالی اور فارغ البالی دیکھتے ہیں، وہ حاکم طبقہ کا حصہ ہے، اور اس کے برعکس عوام بھوکے اور دانہ دانہ کے محتاج نظر آتے ہیں ——— ان حالات میں عوام کے لئے مذہب ہی ایک سہارا بن سکتا تھا، لیکن وہ بھی مرور ایام، بھوک، سرمایہ داری، حکومت کے ظلم، اور مذہبی لوگوں کی ریاکاری کی وجہ سے بہت کمزور پڑ گیا تھا، اس لئے کہ

معاشی بدحالی دل ودماغ کو بیکار اور عقائد کو متزلزل کر دیتی ہے، خاص طور پر ضعیف الایمان لوگ، اور غلط عقائد کی پیروی کرنے والے جن کے ایمان کی کوئی صحیح بنیاد نہیں ہوتی، معاشرتی ظلم، حکومت کی بدنظمی اور بددینی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اسی سبب سے روما میں دینی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئی تھیں، اور دلوں کی دنیا میں بھی ان کا کوئی مقام نہیں رہ گیا تھا۔ فلاسفہ نے اس خلا کو بھرنا چاہا اور وجدانی افکار اور عقلی تربیت کے ذریعہ جذبات میں پاکیزگی اور رفعت پیدا کرنی چاہی تاکہ فکر کی لذت میں لوگ جسم کے مطالبات بھول جائیں، اور فلسفہ غور وفکر صوفیانہ مراقبہ واستغراق کی جگہ لے لے، اس طرح دین وفلسفہ کا ایک مرکب تیار ہو گیا، اور دینی شعور فلسفیانہ مذاق سے قریب آ گیا، یہ کہئے کہ دینی احساسات جو بحیثیت انسان کے انسان کی فطرت میں داخل ہیں، وہ فلسفہ سے مسحور ہو گئے۔

اس مزاج کے نتیجہ میں رومی بت پرستی اور عیسائیت وغیرہ میں ایک ہم آہنگی اور یکساں رسم ورواج پیدا ہو گئے، اور مسیحیت فلسفہ مشرقیہ، حوار وغیرہ کا مجموعہ بن گئی، اور رومی رعایا میں یہود، مسیحی، اور بت پرست بھی تھے، اس لئے ان کی ایک مشترکہ مذہب بھی بن گئی، اور اس طرح مذہب نما فلسفہ یا فلسفہ نما مذہب نے وہاں کی حیاتیاتی اور نفسیاتی فضا کو اپنے لئے ہموار اور ہم آہنگ پایا، اور وہ مسیحیت جو فلسفہ اور شرک سے مل چکی تھی، یا مسیحیت اور وثنیت نے فلسفہ کا جو رنگ اپنا لیا تھا، اسے آپ جو نام بھی چاہیں دے دیں اس لئے کہ یہ ایک ایسا دین تھا جو مجموعۂ اضداد کہا جا سکتا تھا۔ جس میں فلسفہ کو شریک غالب" کی حیثیت حاصل تھی، اسی سبب سے بعد میں دینی افکار مسیحی مذہب کے ماتحت اسی رنگ میں رنگتے چلے گئے، اور مفسرین وقانون سازوں نے انجیل کی شرح وتفسیر میں یہی فکری رنگ

اختیار کیا۔

امتزاج مشرق میں

اسکندریہ کا مکتبۂ فکر و فلسفہ اپنے عہد میں بحر ابیض متوسط ——— کے جنوبی کنارے پر گویا انسانی علم و حکمت کا منارہ تھا، جہاں سے دنیا میں علم و فلسفہ کی شعاعیں پہنچ رہی تھیں، یہ قدیم تہذیبی تاریخ کی ایک مسلمہ حقیقت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں، اسکندریہ کی علمی سرگرمیوں میں یونانی اساتذہ کی وہاں آمد سے اور جان پڑ گئی۔

دبستانِ اسکندریہ کا مشہور معلم اس وقت "امینوس" (م ۲۴۲ء) تھا، جس نے عیسائیت قبول کرنے کے بعد پھر رومی بت پرستی اختیار کر لی۔

اس کے بعد "افلوطینس" ——— (م ۲۷۰ء) اس کا جانشین ہوا، جس نے اسکندریہ میں تعلیم پانے کے بعد ایران اور ہندوستان کا بھی سفر کیا، اور ہندوستانی یوگا کا علم حاصل کیا تھا، اسی کے ساتھ بدھ ازم، اور برہمن واد سے بھی واقف ہو گیا تھا، اور وہ اسکندریہ لوٹا ہے، تو اس کی جھولی میں رنگ برنگ کے ثقافتی نمونے تھے، چنانچہ وہ ان مختلف افکار کو پڑھاتا بھی تھا، اس کی تعلیمات تین بنیادوں پر قائم تھیں:۔

۱۔ کائنات کی تخلیق خالق اول و ازلی سے ہوئی ہے، جس کا احاطہ فکرِ انسانی نہیں کر سکتی۔

۲۔ تمام ارواح ایک ہی روح کی شاخیں ہیں، جو خالق ازلی سے عقل کے واسطے سے متصل بھی ہے، اور اسی سے نکلی بھی ہے۔

۳۔ دنیا اپنے وجود، تکوین و تشکیل، اور حرکت میں خالق اول و ازلی، اس سے نکلی ہوئی عقل، اور روح اعظم (جو تمام ارواح کا سرچشمہ ہے) کی محتاج ہے۔

افلوطین اپنے نظریۂ تثلیث کی شرح اس طرح کرتا ہے:

۱۔ خالق اول سے عقل صادر ہوئی، اور اس کا صدور، ولادت کی طرح نہیں بلکہ ظہور کا انداز رکھتا ہے۔

۲۔ عقل سے وہ روح نکلی جو وحدت اور تمام ارواح کی اساس ہے۔

۳۔ اور یہ تینوں: خالق اول، عقل، اور روح ـــــ عالم کی تکوین و تشکیل کی اساس ہیں۔

ان تحقیقات کی بنیاد وہ معلومات تھیں جو افلوطین کو ہند و ایران سے حاصل ہوئی تھیں، اور جن کے لئے اسکندریہ کی نوافلاطونیت، تیسری صدی عیسوی کے نصف آخر (۲۷۰ء) میں ممتاز تھی، اور مسیحی تثلیث کا عقیدہ، نیقیہ کی کونسل (NICEE) یعنی چوتھی صدی عیسوی کے تیسرے دہے (۳۲۵ء) سے پہلے عام نہیں ہوا تھا۔ اس طرح مسیحیت اور اس کے اقانیم ثلاثہ نوافلاطونیت (NEO_PLATONISM) ہی کا انعکاس ہیں۔

دوسری طرف یورپ کے متعدد فلسفی مسیح کے وجود ہی میں شک کرتے ہیں، اور ان کی شخصیت کو نوافلاطونیت کی ایک علامتی شخصیت قرار دیتے ہیں جس سے اس فلسفہ پر دینی رنگ چڑھا دیا گیا تاکہ وہ عوام الناس کے لئے قابل قبول ہو جائے۔

لیکن یہ ایک فلسفیانہ مفروضہ ہے جس کی اسلام کسی طرح تائید نہیں کرسکتا، اس لئے کہ قرآن میں یہ صراحت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے نبی و رسول اور اس کا کلمہ ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ	عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح
خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ	ہے جسے اللہ نے مٹی سے بنایا اور کہا کہ ہو جا تو
(آل عمران ۵۹)	وہ ہو گیا۔
اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ	جب ملائکہ نے کہا اے مریم! اللہ تمہیں اپنے ایک کلمہ

يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ	کی بشارت دیتے ہیں، جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم
عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ	ہوگا، وہ دنیا اور آخرت میں آبرومند اور اللہ کے
وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ۔ (آل عمران۔ ۴۵)	مقربین میں سے ہوگا۔

اس طرح مسیحی تثلیث ان فلسفیانہ بحثوں کی پیداوار معلوم ہوتی ہے، جو رومی معاشرہ میں عام تھیں اس کے ساتھ ہی مسیحیت میں وہ مشرقی افکار بھی داخل ہو گئے، جنہیں انسانی ثقافتوں سے نوافلاطونیت نے درآمد کیا تھا، اور ان سب چیزوں نے مسیحیت کے مرکز کی شکل اختیار کر لی، اور روما کی مخلوط ثقافتی فضا نے ایسا کرنے میں بڑی مدد کی، جس کی وجہ سے مسیحیت کو بحیثیت ایک ممتاز فکر، یا ایک متحرک نظام عمل کے اپنے وجود کے اثبات کا کوئی موقع نہ مل سکا۔

مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قاری میرے بیانات کو ادعانہ سمجھ لے حالانکہ میری کوشش شروع سے مسائل کو جوں کا توں رکھنے کی رہی ہے، اب میں یہاں کہنا چاہتا ہوں کہ تثلیث کا عقیدہ ایک فلسفیانہ نظریہ ہے نہ کہ کوئی دینی مسئلہ، اگرچہ اصحاب تثلیث اسے دینی مسائل ہی میں شمار کرتے ہیں، لیکن تاریخ اور زمانی ترتیب کے لحاظ سے تثلیث کو، ایک دینی مسئلہ نہیں کہا جا سکتا اسی لئے میری تحریر میں کہیں حکم لگانے کا انداز جھلک سکتا ہے۔

تاہم میری مخلصانہ کوشش یہی ہے کہ مستقبل کے غیر جانبدار محققین کے لئے میری بحث ایک معروضی مطالعہ اور مواد کا کام دے سکے۔

یہاں ہم ایک اہم فلسفیانہ بیان کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں جسے مشہور مستشرق لیون گوتیہ نے اپنی کتاب "المدخل لدراسة الفلسفہ" میں دیا ہے، اور جو ۱۹۲۳ء میں فرنچ زبان میں فرانس میں چھپی ہے، اور جسے مرحوم ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ نے عربی کا جامہ پہنایا ہے،

یوسف کرم کہتا ہے:

"یہودی عقائد اور یونانی فلسفہ کے امتزاج سے صرف ایک فلسفہ ہی ظہور پذیر نہیں ہوا بلکہ ایک دین بھی رونما ہوا، یعنی مسیحیت جس نے بہت سے یونانی افکار و آرا کو ہضم اور قبول کر لیا تھا۔

اس لئے کہ مسیحی الٰہیات کا بھی وہی سرچشمہ ہے، جو نو افلاطونیت کا تھا، یہ افلاطون (PLATO) کا فلسفہ ہے، جو افلوطین کے فلسفہ کا بھی ماخذ ہے۔ اسی لئے ہم مسیحی الٰہیات اور نو افلاطونیت کے درمیان بڑی مشابہت پاتے ہیں، گرچہ بعض اوقات تفصیل میں ان میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے، وہ عقیدۂ تثلیث پر متفق ہیں، اور دونوں میں "اقانیم ثلاثہ" کا تصور موجود ہے۔

ان اقانیم میں پہلا اقنوم: تمام کمالات کا مصدر و ماخذ ہے اور جو تنہا تمام کمالات کو حاوی اور محیط ہے جسے مسیحی 'باپ' کہتے ہیں۔

دوسرا: بیٹا جو کلمہ ہے۔ تیسرا: روح القدس۔

یہاں یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ یہ تینوں اقانیم افلاطونیت کے نزدیک جوہر اور رتبہ میں مساوی نہیں ہیں جبکہ مسیحیت کے نزدیک ان کی حیثیت مساوی ہے؛ چنانچہ بیٹا جو باپ سے پیدا ہوا ہے، اس کا کمال میں باپ سے کمتر ہونا ممکن نہیں، ورنہ کامل سے غیر کامل کا صدور لازم آئے گا اور یہ اس کی شان کے منافی ہے، اسی طرح روح القدس باپ اور بیٹے کے مساوی ہے۔"[1]

اس طرح جب مسیحیت اقانیم ثلاثہ کو تسلیم کرتی ہے تو وہیں وہ ایک فلسفیانہ نظریہ

---

[1] المدخل لدراسۃ الفلسفہ ۹۳، ۹۵۔

کی قائل ہو جاتی ہے، جو مختلف فلسفیانہ تعلیمات اور خاص کر افلاطونیت اور نو افلاطونیت کا مجموعہ ہے، جن میں سے پہلا یونانی فلسفہ ہے جس پر مغربی فلسفہ کی بنیاد پڑی، اور دوسرا فلسفہ کا مشرقی مکتب خیال ہے جسے رومی اور یونانی اساتذہ کی ذہنی فضا میسر آئی جیسا کہ اس کے نمائندہ فلسفی کو ہندو ایران کے فلسفوں کو نقل کرنے کا موقع ملا تھا جسے اس نے ایک خاص شکل دی جسے مسیحیت کہا گیا اور جسے لوگوں نے ایک دین قرار دے لیا۔ اس لئے مسیحیت کے محقق کیلئے یونان کے افلاطونی فلسفے، نو افلاطونیت، اور روم کی مشرکانہ تثلیث سے مسیحیت کے رشتہ و تعلق کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہئے۔ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ اگلے فلسفوں کا بعد کے فلسفوں پر اور ایک بڑے نظام کا چھوٹے نظاموں پر اثر پڑتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسکندریہ کا نو افلاطونی فلسفہ سنہ ۲۷۰ء میں سامنے آچکا تھا۔ اور نیقیہ کی کونسل جس نے ثالوث اور اقانیم ثلاثہ کا عقیدہ مقرر کیا وہ سنہ ۳۲۵ء میں منعقد ہوئی تھی، اور عیسائیت اپنی ابتدا ہی سے مظلوم و مغلوب تھی اور رومی بت پرستی اس پر غالب و حکمراں رہی، اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس کا کس پر اثر پڑا یا پڑ سکتا تھا؟ یہ علم و تاریخ اور مذہب کے جویا اشخاص کے غور کرنے کا موقع اور یکساں دلچسپی کا موضوع ہے؟

مسیحیت کے مآخذ

(توراۃ، اناجیل، رسولوں کے خطوط)

مسیحیت اور خاص طور پر معاصر مسیحیت اپنی تاریخ کے سلسلے میں تین مآخذ پر اعتماد کرتی ہے:

اول: توریت۔ جسے وہ عہد قدیم (OLD TESTAMENT) کہتے ہیں اور جو انجیلوں سے کہیں زیادہ ضخیم ہے۔ مسیحی پوری توریت کو تسلیم نہیں کرتے، وہ بعض اسفار کی وحی کی صحت نہیں مانتے، اگرچہ وہ یہود کے یہاں معتبر مانے گئے ہیں۔

ثانی: انجیلیں، جنھیں تاریخی اسفار بھی کہا جاتا ہے، اس لئے کہ ان میں حضرت عیسیٰؑ کے تاریخی ماحول سے بحث ہوتی ہے۔

عیسائیوں کے نزدیک مقدس انجیلیں چار ہیں: انجیل متی (MATTHEW) انجیل مرقس (MARK) انجیل لوقا (LUKE) انجیل یوحنا (JOHN)

تیسری صدی مسیحی میں مسیحی چرچ نے صرف انہی چار کو مقدس مانا تھا، اور انہی انجیلوں کو نیقیہ کی کونسل سے قبل ارنیوس نے ۲۰۹ء میں تسلیم کیا اور یہ کہا تھا کہ انہی چاروں

کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اور پھر ۳۲۵ء میں نیقیہ کی کونسل نے بھی صرف ان چاروں کی تقدیس تسلیم کی، اور چرچ نے ان کے علاوہ متعدد انجیلوں سے انکار کر دیا۔ انجیلوں کی کثرت پر خود مسیحیت کے مؤرخین کا اتفاق ہے، اور وہ ان انجیلوں کا ذکر کرتے ہیں: انجیل مانی، مرقیون، دیصان، انجیل سبعین، تامس، انجیل تذکرہ، سرن تھس، پھر انجیل برنابا۔

ثالث: رسائل و خطوط جنہیں وہ تعلیمی اسفار کا نام دیتے ہیں، اس لئے کہ وہ موجودہ انجیلوں سے زیادہ مسیحیت کی توضیح و تفسیر کرتے ہیں، یہ اسفار یونانی زبان میں مسیحی دنیا کے مشہور اشخاص کے قلم سے نکلے ہیں۔

اس طرح مسیحیت کے معتمد مآخذ چار انجیلیں اور رسولوں کے خطوط رہ جاتے ہیں، انجیلیں تاریخی کتابوں کی طرح حضرت مسیحؑ کی زندگی سے بحث کرتی ہیں، اور رسائل و خطوط مسیحیت کے دینی طرز عمل کی تفسیر کرتے ہیں۔

اگر خدا نے چاہا تو ہم ان موضوعات پر روشنی ڈال کر بتائیں گے کہ مسیحیت اور مسیحی اس نور توحید کے کس قدر محتاج ہیں جس میں وہ خدا کی بے عیب و بزرگ و برتر ذات کا اندازہ کر سکیں۔

مسیحیت کا ماخذ اول: اناجیل

انجیل متی

اس کے لکھنے والے متی حواری تھے، جو مسیح کے ۱۲ شاگردوں میں سے ایک تھے، اور جنہیں مسیحی رسول کہتے ہیں، حضرت مسیحؑ سے ملنے کے قبل وہ رومی حکومت کی طرف سے فلسطین میں ٹیکس وصولتے تھے، یہود اس پیشے کو بری نظر سے دیکھتے اور محصل کو ظالم یا کم ازکم سخت مزاج سمجھتے تھے، اسی انجیل میں متی کے حضرت عیسیٰ کا شاگرد ہونے کے بارے میں یہ عبارت ملتی ہے:

> مسیح وہاں سے گزر رہا تھا، اس نے چنگی کے پاس ایک نسان کو بیٹھا دیکھا اس کا نام متی تھا، اس نے اس سے کہا میرے پیچھے آ، تو وہ کھڑا ہو کر اس کے پیچھے ہولیا، اور جب وہ گھر میں ٹیک لگائے بیٹھا تھا تو بہت سے محصل اور مجرم آئے اور مسیح اور اس کے تلامیذ کے ساتھ بیٹھ گئے جب فریسیوں نے دیکھا تو اس کے شاگردوں سے کہا: تمہارا معلم چنگی والوں اور مجرموں کے ساتھ کیوں کھاتا ہے، جب مسیح نے یہ سنا تو کہا: صحت مند لوگ طبیب کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ

مریض ہوتے ہیں، تو جاؤ اور سیکھو، میں رحمت چاہتا ہوں، ذبیحہ نہیں چاہتا، میں نیکوں کو بلانے نہیں بلکہ مجرموں کو توبہ کی طرف بلانے آیا ہوں[1]۔"

انجیل متی کی زبان

مسیحی اہل قلم کا تقریباً متفقہ بیان ہے کہ انجیل متی کی زبان عبری یا سریانی تھی، جیسا کہ وہ اس پر بھی متفق ہیں کہ اسی انجیل کا سب سے پرانا نسخہ یونانی زبان میں تھا، مگر ضائع ہو گیا۔

جیروم کا کہنا ہے کہ متی نے انجیل عبری زبان میں لکھی، وہ اس وقت یہودی علاقے میں تھے، جہاں ان کے ماننے والے یہودی رہتے تھے۔

تاریخ تدوین اور مترجم

انجیل متی کی تدوین کی تاریخ میں عیسائیوں کے درمیان بہت اختلاف ہے اسی طرح یہ اختلاف اس کے مترجم کے بارے میں بھی ہے۔

ابن البطریق کہتا ہے کہ متی نے اپنی انجیل قلدیوس کے عہد میں لکھی، لیکن اس نے سن تکمیل یا سن آغاز ______ نہیں لکھا، البتہ اس کے مترجم کا نام یوحنا ہے۔

دوسری رائے جرجس زوینی لبنانی کی ہے، وہ کہتا ہے کہ:

> "متی نے اپنی بشارت یروشلم میں سنہ ۳۹ء میں لکھی، اس لئے کہ انھوں نے اسے مسیح پر ایمان لانے والے یہودیوں کے لئے لکھا تھا، یا رسولوں کے کہنے سے لکھا تھا، اور اس کی زبان عبرانی تھی، نہ کہ یونانی جیسا کہ اوسی بیدس نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔"

---

[1] اصحاح ۹: ۹

اس طرح جرجس زوین، ۳۹ء کو سن تدوین بتاتے ہیں، اور تدوین کی زبان بھی متعین کرتے ہیں، لیکن مترجم کے بارے میں وہ بھی کوئی وضاحت نہیں کرتے۔

تیسری رائے ڈاکٹر پوسٹ کی ہے کہ متی نے اپنی انجیل یروشلم کی تباہی سے پہلے لکھی اور اس کی زبان یونانی تھی، اس طرح ڈاکٹر پوسٹ کی رائے ان تمام مسیحی مؤرخین کے خلاف ہے، جو انجیل متی کی زبان عبرانی یا سریانی بتاتے ہیں۔

چوتھی رائے صاحب "ذخیرۃ الالباب" کی ہے، جو ۴۱ء کو سن تدوین کہتے ہیں اور اس کی زبان کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ فلسطین کی کوئی بول چال کی زبان رہی ہو گی، اس لئے عبری یا سریانی و کلدانی ہی زبانیں ہو سکتی ہیں، پھر یونانی میں اس کا ترجمہ ہوا ہو گا، پھر ابیونیوں کے ہاتھوں ضائع ہو گیا ہو گا۔

انجیل متی کے مطالعہ میں مسیحیت کے سلسلے میں ان باتوں کو ملحوظ رکھنا ہو گا:

۱۔ اس کی تاریخ سنہ واقفیت پر تقریباً تمام مسیحیوں کا اجماع ہے۔

۲۔ اس کی زبان کے بارے میں بھی بڑے اختلاف ہیں۔

۳۔ اصل نسخہ کی گم شدگی اور نابود ہونا بھی مسلم ہے۔

۴۔ اس کے مترجم کا نام بھی مجہول ہے۔

۵۔ اور یہ انجیل خاص طور پر مسیح پر ایمان لانے والے یہودیوں یا رسولوں کے ایما پر لکھی گئی ہے، لیکن یہ رسول کون تھے؟ اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں۔

ہم مسٹر ہورن کو پہلی انجیل کے سنِ تحریر کے بارے میں جب ان مختلف سنین کا نام لیتے دیکھتے ہیں، تو ہمیں ان کی ستم ظریفی پر ہنسی آتی ہے، وہ اس سلسلہ میں ۳۷ء یا ۳۸ء یا ۴۱ء یا ۴۳ء یا ۴۸ء یا ۶۱ء یا ۶۲ء یا ۶۳ء یا ۶۴ء کا ذکر کرتے ہیں، مگر ان سنین کے لئے کوئی تاریخی ثبوت

اور دلیل فراہم نہیں کرتے۔

یہ پہلے مسیحی کی انجیل تھی، جو حواریوں میں شامل تھا، اس کے بارے میں بھی ناکافی معلومات ہونے کے سبب کئی پیچیدہ سوال پیدا ہوتے ہیں، ان میں سے پہلا تو یہ ہے کہ کیا یہ انجیل ایک فرد نے اپنے ذاتی شوق سے لکھی؟ اور یہیں دوسرا سوال بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ کسی مذہبی کتاب کو وحی کا تقدس کب حاصل ہو سکتا ہے؟ اس وقت جب وہ خدا کے پاس سے بذریعہ وحی آئی ہو اور اسے معروف النسب نبی لے کر آیا ہو اور وہ بعد والی نسلوں تک تاریخی تواتر کے ساتھ پہنچی ہو یا اس وقت جبکہ وہ کسی خاص آدمی کے ایسے کسی انسان کا نتیجۂ فکر بن کر آئی ہو؟

اور جب وہ کسی پیغمبر کے کسی پیرو، تلمیذ، یا ساتھی کے قلم سے نکلی ہو تو کیا اسے علم و تاریخ کے عرف میں کتاب مقدس اور آسمانی کتاب کا مرتبہ دیا جا سکتا ہے یا اسے سوانح و تذکرے کی کتاب کہا جائے گا؟ یہ بحث مسلم اور غیر مسلم دونوں ہی طبقوں کے محققین کے لئے غور طلب اور قابل توجہ ہے۔

۲۔ انجیل مرقس

اس کا کاتب کون ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ اس کا کاتب یوحنا ہیں، جن کا لقب مرقس تھا، یہ حواری تلامذہ میں سے نہیں، ان کا سلسلۂ نسب فلسطین کے ایک یہودی خاندان سے ملتا تھا، یہ شروع ہی سے حضرت مسیحؑ کے پیرو ہو گئے تھے، اور جیسا کہ عیسائیوں کا کہنا ہے کہ انھیں حضرت مسیحؑ نے ان ستر لوگوں میں سے منتخب کیا تھا جن پر روح القدس نازل ہوئے تھے۔ قبطیوں کی تاریخ میں ہے کہ مسیحی جماعتوں کا اس پر اجماع ہے کہ مسیحؑ

ان کے گھر جایا کرتے تھے، اور انھوں نے عشائے ربانی اپنے حواریوں کے ساتھ انہی کے گھر میں کھائی تھی، اور اسی کے ایک کمرے میں مسیحؑ کے تلامیذ پر روح القدس کا نزول ہوا تھا، "اعمال" میں ہے کہ رسول حضرت مسیحؑ کے اٹھائے جانے کے بعد انہی کے گھر میں جمع ہوتے تھے۔"

مرقس انطاکیہ میں مسیحیت کی تبلیغ میں بہت سرگرم رہتے تھے (جواب ترکی کے ماتحت ہے) وہاں وہ پولس اور اپنے ماموں برنابا کے ساتھ گئے اور پھر یروشلم لوٹ آئے تھے، اور پھر اپنے ماموں کے ساتھ قبرص چلے گئے اور وہاں سے مرقس پہلی صدی کے نصف میں شمالی افریقہ چلے گئے، وہاں مصر ان کو اپنی دعوت کے لئے ایک نتیجہ خیز زمین اور ملک محسوس ہوا اس لئے انھوں نے اسے اپنی دعوت کا مرکز بنا کر روما اور افریقہ کے تبلیغی سفر کئے، اور پھر مصر ہی میں تھے کہ رومی بت پرستوں نے انھیں ۶۲ء میں قتل کر دیا۔

مسیحی مورخین کا کہنا ہے کہ انھوں نے اپنی انجیل رومیہ والوں کے طلب پر لکھی تھی، کتاب "مروج الأخبار فی تراجم الابرار" کا بیان ہے کہ وہ مسیحؑ کی الوہیت کے منکر تھے:

> "مرقس الوہیت مسیح کا انکار کرتے تھے ان کے استاذ پطرس حواری کا بھی یہی کہنا تھا انھوں نے اپنی کتاب رومیہ والوں کے کہنے سے لکھا تھا۔"

لیکن ابن بطریق کاتب مرقس کے بارے میں ایک متضاد خیال رکھتا ہے، اس کا کہنا ہے کہ حواریوں کے سردار پطرس نے رومیہ شہر میں مرقس کی روایت سے یہ انجیل لکھی، اور پھر انہی سے منسوب کر دی، یہاں ایک سوال یہ آتا ہے کہ حواریوں کا سردار ایک غیر حواری سے کیسے روایت کرتا ہے، اور پھر پطرس اسے مرقس کی طرف کیوں منسوب کرتا ہے؟

مرشد الطالبین میں ہے کہ انجیل مرقس، پطرس کی تدبیر سے ۶۱ء میں پطرس کی

تبلیغی سرگرمیوں کے لئے لکھی گئی تھی۔

لیکن ارینیوس کہتا ہے کہ مرقس نے اپنی انجیل پطرس اور پولس کی موت کے بعد لکھی، یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس انجیل کا مؤلف کون ہے؟

تدوین کی زبان اور تاریخ

مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس انجیل کی زبان یونانی تھی، ڈاکٹر پوسٹ نے اپنی کتاب "ڈکشنری آف دی بائبل" میں لکھا ہے کہ مرقس نے اپنی انجیل یونانی زبان میں لکھی۔

مسیحی مؤرخین کا دوسری انجیل کے زمانۂ تحریر کے بارے میں اختلاف ہے۔

ہورن کہتا ہے کہ دوسری انجیل ۵۶ء اور ۶۵ء کے درمیان لکھی گئی، عام خیال ہے کہ ۶۰ء یا ۶۳ء میں لکھی گئی۔ انجیل کی تاریخ سے بحث کرتے ہوئے شک و تذبذب کا یہ انداز ہورن کی عام عادت ہے، مرشد الطالبین کا مصنف ۶۱ء بتاتا ہے۔

مسیحی تاریخ کے ان بیانات سے بحث و تحقیق کے لئے دو باتیں بطور خاص سامنے آتی ہیں، جو غور طلب کہی جا سکتی ہیں: ایک یہ کہ انجیل مرقس یا انجیل ثانی کا لکھنے والا مرقس ہے یا پطرس ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ انجیل مرقس کی تدوین کب ہوئی؟ یہ سوال اس لئے اہم ہے کہ کاتب کی شخصیت کی لاعلمی اور گمنامی اور سنِ تدوین نہ معلوم ہونے سے کسی کتاب کا استناد ختم ہو جاتا ہے۔ اور غیر جانبدارانہ علمی نظر میں وہ کتاب مقدس کو کیا ایک عام مستند کتاب بھی نہیں رہ جاتی، اور تحقیق کا ایک طالب علم بھی اسے اپنے

مفید مطلب نہیں پا سکتا۔

۳۔ انجیل لوقا

پہلا سوال اس کے لکھنے والے کے بارے میں ہوتا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ انجیل ثالث کے لکھنے والے لوقا تھے، لیکن لوقا کی شخصیت اتنے دھندلکے میں ہے کہ اس کا تعین دشوار ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایک یہودی طبیب تھے، اور سفر و حضر کی سرگرمیوں میں پولس کے ساتھ رہتے تھے، خود پولس کے خطوط میں اس کی طرف اشارہ ملتا ہے، چنانچہ تیمتھیُس کے نام کے خط کے دوسرے اصحاح میں کہتا ہے کہ "لوقا تنہا میرے ساتھ ہے"۔ اہل فلیمون کے نام کے خط میں کہتا ہے کہ "مرقس، استرخس، دیماس، اور لوقا میرے ساتھ کام کر رہے ہیں" کلسیوں کے نام خط کے چوتھے اصحاح میں کہتا ہے کہ "طبیب حبیب" لوقا تمہیں سلام کہتا ہے۔

ان نصوص سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوقا طبیب تھے، اور انطاکیہ کے رہنے والے، لیکن ڈاکٹر پوسٹ کا خیال ہے کہ وہ انطاکی نہیں بلکہ رومانیہ کے رہنے والے تھے، وہ کہتے ہیں کہ جو لوگ لوقا کے انطاکی ہونے کے قائل ہیں، وہ حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں، اور لوکیوس انطاکی سے ان کو تشابہ ہو گیا ہے، ڈاکٹر پوسٹ کا خیال ہے کہ لوقا رومانیہ کے رہنے والے تھے اور اٹلی میں ان کی نشوونما ہوئی۔

تاریخ مسیحیت کے کچھ علماء کا خیال ہے کہ وہ مصور تھے، ان سب باتوں کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر لوقا کون تھے؟ انھیں رومانیہ کا مانا جائے یا انطاکیہ کا، انھیں طبیب مانا جائے یا مصور؟ ان تمام باتوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، اور محقق کے لئے لوقا کی

شخصیت اور ان کی مشغولیت کے بارے میں تحقیق ضروری ہے۔

اس کی زبان کے بارے میں تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وہ یونانی زبان میں تھی

تاریخ تدوین

یہ موضوع علمائے تاریخ کے لئے ایک معرکۃ الآرا موضوع ہے، یہ جن لوگوں کے لئے لکھی گئی تھی، ان کے اور علمائے نصاریٰ کے درمیان وجہ نزاع بن گئی ہے۔

ڈاکٹر پادری ابراہیم سعید مصری کہتے ہیں کہ وہ یونانیوں کے لئے لکھی گئی ہے، انجیل متی، یہود کے لئے تحریر کی گئی ہے، اور انجیل مرقس روما والوں کے لئے معرض تحریر میں آئی ہے، اور انجیل یوحنا عام کلیسا کے لئے وجود میں آئی ہے۔

لیکن انجیل لوقا اس جملے سے شروع ہوتی ہے:

> "چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں ان کو ترتیب وار بیان کریں، جیسا کہ انھوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے، ان کو ہم تک پہنچایا، اس لئے اے معزز تھیُفلُس! میں نے بھی مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کر کے ان کو تیرے لئے ترتیب سے لکھوں تاکہ جن باتوں کی تو نے تعلیم پائی ہے، ان کی پختگی تجھے معلوم ہو جائے۔"[1]

تھیُفلُس کے بارے میں ابن بطریق لکھتا ہے کہ وہ رومی سرداروں میں سے تھا، اور کچھ لوگ اسے مصری النسل کہتے ہیں، اسی طرح اس کا سن تدوین بھی اختلافی مسئلہ ہے،

---

[1] لوقا کی انجیل ۱: ۱-۴

اس لئے کہ یہ جن لوگوں کے لئے لکھی گئی ہے، ان کا تعین نہیں ہو سکا ہے۔

ڈاکٹر پوسٹ کا خیال ہے کہ یہ انجیل یروشلم کی تباہی سے پہلے لکھی گئی ہے، اور وہ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ اس کا زمانہ تحریر ۵۸ ۔ ۶۰ء ہے جب پولس گرفتار ہوا تھا۔

استاذ لارون کہتے ہیں کہ لوقا پطرس و پولس کے بعد لکھی گئی ہے مسٹر ہورن کہتا ہے کہ تیسری انجیل ۵۳ء یا ۶۳ء یا ۶۴ء میں لکھی گئی ہے لیکن وہ حسب عادت ان سنین کے لئے کوئی وجہ ترجیح اور دلیل نہیں بیان کرتا۔

ہماری مذکورہ بالا بحث سے جو زیادہ تر علمائے مسیحیت کے بیانات ہی پر مشتمل ہے، جویائے حق کے سامنے چند نکات آجاتے ہیں جن کی اپنی خاص اہمیت ہے۔

۱۔ علمائے مسیحیت کا اس پر اتفاق ہے کہ لوقا نے اپنی انجیل یونانی میں لکھی اور یہ کہ وہ سیدنا مسیحؑ کے تلامذہ میں نہیں تھے۔

۲۔ کاتب کی شخصیت، اس کی نسل و قومیت، اس کے پیشے، اور جن کے لئے یہ لکھی گئی، اور اس کی تاریخ تدوین کے بارے میں مسیحی علمار میں اختلاف ہے، اور اس طرح یہ تمام باتیں غیر مصدقہ حالت میں جواب کی محتاج رہ جاتی ہیں۔

۴۔ انجیل یوحنا

یوحنا کون تھے؟ کیا یہ وہ یوحنا حواری اور شکاری کے بیٹے تھے جنھیں سیدنا مسیحؑ بہت عزیز رکھتے تھے؟ یا یہ کوئی دوسرے یوحنا ہیں؟ یہ سوالات سب سے پہلے ہمارے سامنے آتے ہیں، دوسری صدی مسیحی کے علمار نے اس انجیل کی نسبت حضرت عیسیٰ کے چہیتے یوحنا کی طرف ماننے سے انکار کر دیا تھا، اور یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ انکار ارنیوس کے

سامنے ہوا تھا، جو بولیکارب کا شاگرد تھا جو یوحنا حواری کا تلمیذ تھا، لیکن ارنیوس جو یوحنا حواری کا علمی وارث تھا، اس نے اس انکار پر خاموشی اختیار کی جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نسبت کسی اور یوحنا کی طرف ہے۔

استادلن کا کہنا ہے کہ: پوری انجیل یوحنا مدرسۂ اسکندریہ کے کسی طالب علم کی تصنیف ہے، اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ دوسری صدی میں فرقہ الوجلین اس انجیل اور یوحنا کی طرف تمام منسوب چیزوں کا منکر تھا۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے کہ:

> "انجیل یوحنا کے بارے میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک غیر معتبر کتاب ہے اور یوحنا و متی کے بیانات میں تضاد پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، اور اس جعلساز مصنف نے متن کتاب میں دعویٰ کیا ہے کہ وہی مسیحؑ کا محبوب یوحنا ہے، اور کنیسہ نے بھی اس دعوی کو تسلیم کر لیا کہ وہی مسیحؑ کا یوحنا ہے یہ کتاب بجا تورات کی بعض منسوب کتابوں سے زیادہ نہیں جن میں ان کے اور منسوب الیہم کے درمیان کوئی ربط نہیں ملتا۔
>
> ہمیں ان لوگوں پر ترس آتا ہے، جو کسی نہ کسی طرح اس فلسفی یوحنا کو یوحنا حواری بنا دینا، اور اسے دوسری صدی کا یوحنا ابن الصیاد ثابت کر دینا چاہتے ہیں لیکن ان کی یہ کوششیں کامیاب نہیں ہو سکتیں اس لئے کہ وہ غلط راستے پر بھٹک رہے ہیں۔"[1]

سوال یہ ہے کہ چوتھی انجیل کا لکھنے والا کون ہے؟ لیکن اس کا جواب خود مسیحی مؤرخین کے پاس بھی نہیں، یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یوحنا کی شخصیت کے مطالعہ کی اہمیت

---

[1] یہ بیان شیخ محمد ابو زہرہ کی . . کتاب "محاضرات فی النصرانیۃ" سے نقل کیا گیا، جو مجمع البحوث العلمیۃ کے رکن رکین ہیں، اور اپنے علمی مقام، بے لاگ تحقیق، اور بحث و نظر کے اونچے معیار کے لئے علمی حلقوں میں شہرت رکھتے ہیں۔

واضح کروں، اس لئے کہ عقیدۂ تثلیث' الوہیت مسیح اسی انجیل میں آیا ہے' اس سے پہلے تینوں انجیلوں، متی مرقس' اور لوقا میں یہ عقیدہ نہیں مذکور ہوا تھا، اگرچہ بعد میں ان انجیلوں کے ترجموں میں تثلیث' الوہیت مسیح کا نظریہ داخل کردیا گیا، جو سراپا اختراع اور بدعت سیئہ ہے، جرجس زوین لبنانی کہتا ہے کہ "شیرنبطوس" ابیون اور ان دونوں کا گروہ یہ تبلیغ کر رہا تھا کہ مسیح انسان تھے' اور ان کا وجود ان کی والدہ مریم سے پہلے نہیں تھا، تو اسی زمانے میں ایشیا اور دوسرے علاقوں کے اساقفہ نے سنہ ۹۶ء میں یوحنا کے پاس آکر مسیحؑ کے بارے میں لکھنے کی فرمائش کی اور یہ کہ وہ ایک ایسی انجیل لکھے جو پہلے نہ لکھی گئی ہو اور جس میں الوہیت مسیح کو خاص انداز سے لکھا گیا ہو۔

یوسف خوری کہتا ہے[1]: یوحنا نے اپنی انجیل اخیر عمر میں ایشیا اور دوسری جگہوں کے اساقفہ کے کہنے پر لکھی تھی، جس کا سبب یہ تھا کہ وہاں کی مختلف جماعتیں الوہیت مسیحؑ کی منکر تھیں، اس لئے یوحنا سے اس عقیدہ کے اثبات اور تینوں انجیلوں پر اضافہ کے لئے کہا گیا، صاحب مرشد الطالبین' کا کہنا ہے کہ اس کا مقصد مسیحؑ کے سلسلے میں بعض مشتبہ حکایات کا اندراج اور مسیحؑ کی بشریت اور ان کی موت سے انکار تھا، جیسے کچھ معلموں نے مشہور کر رکھا تھا اس کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ اگلے نصاریٰ میں اپنے رب' کفار دہندہ اور نجات دہندہ کے بارے میں الوہیت اور بشریت کا اعتقاد راسخ کردیا جائے ______

یہاں یہ چند باتیں معلوم ہوتی ہیں کہ:

۱۔ تثلیث کا عقیدہ اس انجیل سے قبل موجود نہ تھا۔

---

[1] اپنی کتاب من تحفۃ الجیل میں۔

۲۔ یوحنا کی شخصیت مجہول ہے، اور اس نے بہت سے غلط عقیدے رائج کئے، جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی صراحت ہے۔

۳۔ مسیحیوں کا ایک بڑا طبقہ اس انجیل کی نسبت یوحنا حواری تلمیذ مسیحؑ کی طرف صحیح نہیں سمجھتا۔

اس لئے عقیدۂ تثلیث کے سلسلے میں یوحنا کی شخصیت کی تحقیق بہت ضروری ہو جاتی ہے، اگرچہ فلسفیانہ تحقیقات اس سلسلے میں بدھ ازم، برہمن ازم، افلاطونیت اور نو افلاطونیت وغیرہ کا ایک مرکب ہمارے سامنے لاتی ہیں، لیکن ہم خدمتِ حق کے خیال سے اس پر تاریخی نقطۂ نظر سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔

تاریخ تدوین

اس انجیل کی تدوین کے بارے میں بھی مورخوں میں بہت اختلاف ہے، اور یہ مصنف کی شخصیت کے مجہول ہونے کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔

ڈاکٹر پوسٹ کا خیال ہے کہ وہ ۹۵ء، ۹۶ء، ۹۸ء کے دوران لکھی گئی ہے۔

مسٹر ہورن کا کہنا ہے کہ وہ ۶۸ء، ۶۹ء، یا ۷۰ء یا ۸۹ء یا ۹۸ء میں لکھی گئی ہے، جرجس زدین کا کہنا ہے کہ وہ ۹۶ء میں لکھی گئی ہے۔

صاحب مرشد الطالبین کی رائے ہے کہ انجیل یوحنا کے سن تحریر کے بارے میں مؤرخین میں اتفاق رائے نہیں، بعضوں کا خیال ہے کہ وہ یروشلم کی تباہی سے پہلے ۶۵ء میں معرض تحریر میں آئی، اور بعض لوگوں کا قیاس ہے کہ یوحنا نے اپنی جلاوطنی سے واپسی پر اسے ۹۸ء میں لکھا تھا، اور اس طرح علم و تاریخ کے متلاشی کے سامنے

یہ دو سوال آجاتے ہیں کہ:

۱۔ چوتھی انجیل کا محرر، یوحنا کون ہے، اس نے اپنی انجیل کب لکھی اور کس کے لئے لکھی؟

۲۔ اس مجہول یوحنا کی انجیل پہلی تین انجیلوں سے اتنی مختلف کیوں ہے، اور جرجس زوین کے بقول اس میں ایشیائی پادریوں کے کہنے سے عقیدۂ تثلیث والوہیتِ مسیح کیوں داخل کرا گیا؟ اس لئے اگلے مباحث میں یوحنا کی شخصیت، سنِ تدوین، تثنیث کی ایجاد، تثلیث اور فلسفیانہ خیالات کے باہمی رشتے کی دریافت ضروری ہے۔

اناجیل اربعہ پر ایک نظر

تاریخ مسیحیت کا مدار و ماخذ اول اناجیل اربعہ ہی ہیں، اس لئے بحث کرتے وقت ان باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔

۱۔ یہ انجیلیں سیدنا مسیحؑ کی املا کردہ نہیں، بلکہ مسیحؑ نے انھیں دیکھا بھی نہ تھا۔

۲۔ ان کے لکھنے والے مجہول وغیر معروف ہیں، اس لئے ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا، کسی کے حالات نایاب ہیں، اور کسی کی خدمات، اور ان اناجیل سے ان کا تصنیفی تعلق بھی واضح نہیں۔

۳۔ ان کی تصنیف مخصوص لوگوں کے خیالات اور مختلف ماحول اور زمانوں کے مطابق ہوئی اور پھر ان لوگوں کے بھی حالات لاعلمی کی نذر ہو چکے ہیں۔

۴۔ اصل انجیلوں کی گمشدگی پر خود مسیحیوں کا بھی اتفاق ہے، اور ان کے تراجم اس لئے غیر مصدقہ اور ناقابل اعتبار ٹھہرتے ہیں کہ خود اصل کا پتہ نہیں یا مترجم ہی

نامعلوم ہے۔

۵۔ ان میں نقل و روایت اور تواتر و تسلسل کی کوئی کمتر صورت بھی نہیں، جو کسی آسمانی کتاب یا نبی کی تعلیمات کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی اصل انجیل

اور موجودہ اناجیل

نارٹن ایک مسیحی عالم کہارن سے نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> "ابتدائے مسیحیت میں ایک مختصر رسالہ پایا جاتا تھا جس کے بارے میں اصل انجیل کا شبہ کیا جاتا ہے، اور غالب گمان یہ ہے کہ یہ ان متبعین کے لئے لکھی گئی تھی جنھیں حضرت مسیحؑ کے اقوال وافعال کے مشاہدہ کا موقع نہیں ملا تھا، بہرحال یہ انجیل ہی اصل کی حیثیت رکھتی تھی، اگرچہ اس میں بھی مسیحی تعلیمات ترتیب کے ساتھ نہیں لکھی گئی تھیں۔"

اصل انجیل کی گم شدگی کے بارے میں پولس رومیوں کے نام کے خط میں لکھتا ہے کہ:

> "وہ خدا جس کی میں اپنی روح سے عبادت کرتا ہوں اپنے بیٹے کی انجیل میں اس کا گواہ ہے کہ میں کیسے تمہیں بلا انقطاع کے یاد کرتا ہوں۔"

انجیل متی کے چوتھے اصحاح میں ہے:

> "یسوع گلیلی کے اطراف میں پھرتا تھا، اور لوگوں کو عبادت سکھاتا تھا،

اور ان تک آسمانی بادشاہت — انجیل کی بشارت، پہنچاتا تھا۔[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انجیل کی موجودگی کا اعتراف تو ملتا ہے، لیکن بہرحال وہ پھر مطلق نایاب ہوگئی، اس سلسلے میں ہم مغرب و مشرق کے دو مسیحی علماء کے خیالات لکھتے ہیں، تاکہ یہ روشنی ہم محققین مسیحیت کے سامنے رکھ سکیں، اور غیر جانب دار و حق پرست اشخاص اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

ان میں سے ایک صاحب موسیو ایٹین ڈینیہ ایک فرنچ مصور ہیں، جو خدائی چہرے کے خدوخال کی تصویر کے سلسلے میں بحث کرتے کرتے اسلام لے آئے تھے، اور ان بحثوں میں اس نتیجہ تک پہنچے تھے کہ اسلام ہی نے وجود الٰہی کے ادراک کے سلسلے میں سب سے بہتر رہنمائی کی ہے، وہ یہ کہ "خدا ایک اور بے نیاز ہے، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا، اور نہ وہ پیدا کیا گیا اور کوئی اس کا ہمسر و مقابل نہیں"!

دوسرے صاحب ایک مصری مسیحی ڈاکٹر نظمی لوقا ہیں، جنھوں نے علمی نقطۂ نظر سے ایک رسالہ "محمد: پیغمبر اور پیغمبری" لکھا اور اس میں تین مذاہب کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہودیت ایک قومی و نسلی مذہب، عیسائیت ایک وجدانی مذہب، اور اسلام تمام انسانیت کا مذہب ہے، اور اہل کتاب کی اصلاح کے لئے آیا ہے، اور تاکہ وہ انسانوں کی دنیا و آخرت کے لئے نشانِ راہ متعین کردے۔[2]

موسیو ایٹین ڈینیہ کی رائے

وہ کہتے ہیں کہ:

---

[1] انجیل متی

[2] کتاب مذکور ص ۱۷

…اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ پر انجیل ان کی اور ان کی قوم کی زبان میں اتاری مگر وہ ضائع ہو گئی یا ضائع کر دی گئی اور اس کا کوئی اثر نشان نہیں رہا، اور اس کی جگہ لوگوں نے چار تالیفات کو اپنا لیا جن کی صحت اور تاریخی نسبت خاصی مشکوک ہے، وہ یونانی زبان میں ملتی ہیں، حالانکہ یونانی حضرت عیسیٰؑ کی سامی زبان سے بہت مختلف زبان ہے، اس لئے یہود کی توراۃ اور عربوں کے قرآن کی آسمانی حیثیت سے وہ بہت فروتر ہیں، اور ان کا آسمانی نسبت بہت کمزور ہے[1] ——— پھر انجیلوں میں کتنی جگہوں پر تہذیب و تنقیح عمل ہوتا رہا ہے جن کی بعد میں نشاندہی مشکل ہو گئی ہے، یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ انجیل کے لکھنے والوں نے حضرت عیسیٰؑ کی تیس ۳۰ سالہ زندگی کو کیوں نظر انداز کر دیا؟ اور صرف اخیر زندگی کے تین ۳ برسوں ہی سے کیوں سروکار رکھا؟

اگر ہم یہ مان لیں کہ چار میں سے دو حواریوں نے تو حضرت مسیح کے عہد طفولت کے متعلق بھی لکھا ہے تو پھر بعد کے سنین کے متعلق لاعلمی اور بھی سنگین صورت اختیار کر لیتی ہے، اور ہر طرح کے شبہات و تاویلات کا دروازہ کھول دیتی ہے اور لوگ کہہ سکتے ہیں کہ مسیحؑ اپنی پختہ عمری کے طویل عرصے میں کہیں بھی نہیں دکھائی دیتے اور ان کی خارق عادت زندگی میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جو بحیثیت "ابن اللہ" کے ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں[2]:

…… مسیح کی زندگی میں اس بڑے خلا کے علاوہ موجودہ انجیلوں کی مناسب ترتیب و تہذیب بھی نہیں ہو سکی ہے، جو اس کے مؤلفین کی مہارت اور ذہانت کا

---

[1] اشعۃ خاصۃ بنور الاسلام ۴۱، ۴۲ [2] ایضاً ۴۴

نمونہ کہی جا سکتی، اس لئے وہ انسانی نفسیات سے بہت بے خبر معلوم ہوتے ہیں، ورنہ نبی کے شایان شان باتوں کو وہ "ابن اللہ" کی طرف نہ منسوب کرتے۔ حضرت مسیحؑ کی زبان سے بہت سی ایسی باتیں کہلائی گئی ہیں کہ آدمی کو تعجب ہوتا ہے کہ کیا مسیحؑ یہ کہہ سکتے تھے؟

۱۔ مسیحؑ کے وہ اقوال ملاحظہ ہوں جن سے ان کی والدہ حضرت مریمؑ کی اہانت نکلتی ہے، مقام قانا کی ایک شادی کے بارے میں ہے:

> "پھر تیسرے دن قانائے گلیل میں ایک شادی ہوئی اور یسوع کی ماں وہاں تھی، اور یسوع اور اس کے شاگردوں کی بھی اس شادی میں دعوت تھی، اور جب مے ہو چکی تو یسوع کی ماں نے اس سے کہا کہ ان کے پاس مے نہیں رہی، یسوع نے اس سے کہا اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام ہے[1]"

۲۔ ایسے ہی ایک موقع پر مسیحؑ کے انجیر کے درخت پر لعنت بھیجتے دکھایا گیا ہے۔

> "دوسرے دن جب وہ بیت عنیاہ سے نکلے تو اسے بھوک لگی اور وہ دور سے انجیر کا ایک درخت جس میں پتے تھے دیکھ کر گیا کہ شاید اس میں کچھ پائے مگر جب اس کے پاس پہنچا تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا، اس نے اس سے کہا آئندہ کوئی تجھ سے کبھی پھل نہ کھائے اور اس کے شاگردوں نے سنا[2]"

۳۔ مسیحؑ کے ایک قول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اجنبی کو ناپسند کرتے تھے۔

> "پھر یسوع وہاں سے نکل کر صور اور صیدا کے علاقہ کو روانہ ہوا، اور

---

[1] یوحنا ۲: ۱-۴

[2] مرقس ۱۱: ۱۲-۱۴۔

دیکھو ایک کنعانی عورت ان سرحدوں سے نکلی اور پکار کر کہنے لگی اے خداوند ابنِ داؤد مجھ پر رحم کر ایک بدروح میری بیٹی کو بہت ستاتی ہے۔ مگر اس نے کچھ جواب نہ دیا اور اس کے شاگردوں نے پاس آکر اس سے یہ عرض کی کہ اسے رخصت کر دے کیونکہ وہ ہمارے پیچھے چلاتی ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ مگر اس نے آکر اسے سجدہ کیا اور کہا اے خداوند میری مدد کر۔ اس نے جواب میں کہا لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں۔"[1]

۴۔ ایسے ہی فخر و تکبر ظاہر کرنے والا یہ قول ملتا ہے کہ:-

"اگر میں نے ان کے درمیان ایسے کام نہ کئے ہوتے جنھیں کسی نے کیا ہوتا تو وہ ان کے لئے گناہ نہ ہوتے لیکن اب مجھے دیکھ کر مجھے اور میرے باپ پر وہ خفا ہو رہے ہیں۔"

۵۔ ایک قول تفریق اور فساد کی حمایت میں ملتا ہے کہ:-

"میں زمین پر آگ بھڑکانے آیا ہوں اور اگر لگ چکی ہوتی تو میں کیا ہی خوش ہوتا لیکن مجھے ایک بپتسمہ لینا ہے۔ اور جب تک وہ نہ ہوئے میں بہت ہی تنگ رہوں گا۔ کیا تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں؟ میں تم سے کہتا ہوں کہ نہیں بلکہ جدائی کرانے۔ کیونکہ اب سے ایک گھر کے پانچ آدمی آپس میں مخالفت رکھیں گے دو سے تین اور تین سے دو۔ باپ بیٹے سے مخالفت رکھے گا اور بیٹا باپ سے، ماں بیٹی سے اور بیٹی ماں سے، ساس بہو سے اور بہو ساس سے۔"[2]

---

[1] متی ۱۵: ۲۱-۲۷۔ [2] لوقا ۱۲: ۴۹-۵۳۔

"جب بہت سے لوگ اس کے ساتھ جا رہے تھے، تو اس نے پھر کر ان سے کہا اگر کوئی میرے پاس آئے اور اپنے باپ اور ماں اور بیوی اور بچوں اور بھائیوں اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دشمنی نہ کرے تو میرا شاگرد نہیں ہو سکتا[1]۔"

٦۔ خوف و غم ظاہر کرنے والے اقوال میں سے ایک:

"اس وقت ان سے اس نے کہا میری جان نہایت غمگین ہے، یہانتک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے[2]۔"

خوف ظاہر کرنے والے ایسے اور بھی اقوال ہیں جنھیں دیکھ کر فرنچ فلسفی پاسکل کو کہنا پڑا کہ "مسیح موت سے ڈرتے ہیں"

۷۔ بعض اقوال سے موت کے سبب خوف و ناامیدی کا اظہار ہوتا ہے مثلاً مسیح کے مصلوب ہونے کے وقت کا بیان انجیل میں اس طرح ہے:

"اور دوپہر سے لیکر تیسرے پہر تک تمام ملک میں اندھیرا چھایا رہا، اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا ایلی ایلی لما شبقتنی؟ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا[3]۔"

ہم مسلمان جو مسیح کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، ان جیسی باتوں کی صحت پر یقین نہیں رکھتے، اور نہ یہ باتیں کسی بھی نبی کی طرف منسوب کر سکتے ہیں، چہ جائیکہ مسیح جیسے جلیل القدر نبی کی طرف، لیکن مسیحیوں نے اس انتساب کے ذریعہ خود ہی شہادت دے دی کہ حضرت عیسیٰؑ

---

[1] لوقا ۱۴: ۲۵، ۲۶ [2] متی ۲۶: ۳۹، ۴۰ [3] متی ۲۷: ۴۶

خدا کے بیٹے نہیں اور نہ انھوں نے الوہیت کا کوئی دعویٰ کیا تھا، یہ واقعہ تھا کہ مسیحؑ نے یاس کی اخیر حالت میں اپنے "باپ" کی طرف نہیں توجہ ہوئے بلکہ اپنے رب کی طرف مائل ہوئے اس کے علاوہ یہ جملہ جو مسیحؑ کی اصل زبان میں ہے ——— انجیل کے یونانی ترجمہ کی غلطیوں کو اپنانے کی اجازت نہیں دیتا۔

ان حقائق کے پیش نظر معلوم ہوتا ہے کہ اہل مغرب نے مسیحؑ کے بجائے کوئی اور مسیحؑ گڑھ لیا ہے، مغرب کا مسیح جب اپنے "باپ" کے بتائے ہوئے قوانین فطرت کا مقابلہ کرتا ہے، تو وہیں مشرق کا مسیحؑ سنت اللہ کی پیروی کرتا نظر آتا ہے[1]۔

۔ اس مسیحی محقق کی رائے تھی جو تحقیق کے بعد بالآخر مسلمان ہوگیا تھا، انھوں نے .... اپنی بے غرضی اور اخلاص کا اعلان اس جلسہ میں کیا تھا، جو ان کے اعزاز میں ۱۹۲۷ء میں الجزائر کی نئی مسجد میں منعقد ہوا تھا، وہاں انھوں نے اپنے اسلام کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ لوگ گواہ رہیں کہ وہ دسیوں سال پہلے سے مسلمان تھے، لیکن اس کا اعلان آج کر رہے ہیں، اور یہ درخواست کرتے ہیں کہ انھیں اسلامی طریق پر دفن کیا جائے اور یہ کہ وہ اسلام کسی دنیوی غرض کے لئے نہیں لائے ہیں، بلکہ اسے دین و ایمان کی یقینی شکل سمجھ کر لائے ہیں۔

انھوں نے یہ مذہب تحقیق و تدقیق کے بعد اختیار کیا ہے، اور وہ ناقدوں اور ہمدردوں دونوں ہی سے مناظرہ و مناقشہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اسلام ہی خدا کا دین ہے، اور وہ آج سے "ڈینیہ" کے بجائے "ناصر الدین" اپنا نام تجویز کرتے ہیں[2]۔

ان تصریحات سے معلوم ہوگیا کہ مسیحیت کے مقدس کتاب کی اصلیت کیا ہے۔

---

[1] ایٹن ڈینیہ: اشعۃ خ -- بنور الاسلام ۴۴-۴۸ [2] ایضاً ۷، ۸

۲۔ ڈاکٹر نظمی لوقا مصری کی رائے

ڈاکٹر نظمی لوقا اپنی کتاب "محمد: رسالت اور رسول" میں "دین قلب" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

> "اس لئے انسانیت کے لئے ناگزیر تھا کہ وہ اس مسیحیت میں اپنی ہدایت کا سامان ڈھونڈھے جو صرف توحید و تنزیہہ ہی کی دعوت نہیں دیتی بلکہ اللہ تعالٰے کو محبوب حقیقی کا درجہ دیتی ہے جس کی طرف ہر انسان کا وجدان مائل ہوتا ہے اور اس کے قلب سے دوسرے تمام محبوبوں کی محبت ختم ہو جاتی ہے اور اس میں کسی کی عظمت باقی نہیں رہ جاتی اور نہ مظاہر کی کوئی وقعت۔
>
> یہاں مسیحیت سے میری مراد اس سے ہے، جس کی مسیح نے تعلیم دی تھی نہ کہ وہ جو بعد میں الحاق و اضافہ کے ذریعہ وجود میں آئی۔"[1]

وہ عنوان "اللہ" کے تحت کہتے ہیں کہ: قرآن نے خدا کی وحدانیت کے بارے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جیسا کہ سورۂ اخلاص سے معلوم ہوتا ہے، اور جس سے شرک کی نفی اور اہل کتاب کے عقیدے کی تصحیح ہو جاتی ہے، اس لئے کہ مسیحؑ کے متبعین مسیح کی الوہیت اور خدا کا بیٹا ہونے کے قائل ہیں، اور اس کے کہ خدا کی ایک ذات کے تین رخ ہیں، باپ، بیٹا اور روح القدس، اور وہ اس کی مثال آفتاب سے دیتے ہیں، جیسے وہ ایک حقیقت ہوتے ہوئے حواس کے سامنے جسم، روشنی، اور گرمی کی شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے[2] ———

---

[1] کتاب مذکور ص ۵۷، ۵۸

[2] اس تثلیث پر میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ہندوستان میں بھی اس طرح کی تشریح برہما، وشنو اور مہیش کی تری مورتی سے کی جاتی ہے۔ مترجم

لیکن مسیح کے اقوال میں اس طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا بلکہ اس کے برخلاف وہ ہمیشہ اپنے آپ کو انسان زادہ ہی کہتے رہے۔[1]

اصل انجیل کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے میں نے ضروری سمجھا کہ ان دو مؤرخ حضرات کی رائیں درج کردوں۔

* * *

---

[1] محمد: رسالت اور رسول” ٦٥، ٦٦۔

برنابا، اور ان کی انجیل

برنابا کی شخصیت

صحیفۂ اعمال، جو لوقا کی تدوین کہا جاتا ہے، اس کے اصحاح رابع میں ہے کہ

> ”اور یوسف نام ایک لاوی تھا جس کا لقب رسولوں نے برنباس یعنی نصیحت کا بیٹا رکھا تھا، اور جس کی پیدائش کپرس (قبرص) کی تھی، اس کا ایک کھیت تھا جسے اس نے بیچا اور قیمت لا کر رسولوں کے پاؤں میں رکھدی“[1]

اور اس کے نویں اصحاح میں ہے:

> ”اس نے یروشلم میں پہنچ کر شاگردوں میں مل جانے کی کوشش کی اور سب اس سے ڈرتے تھے، کیونکہ ان کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے، مگر برنباس نے اسے اپنے ساتھ رسولوں کے پاس لے جاکر ان سے بیان کیا کہ اس نے اس اس طرح خداوند کو دیکھا اور اس سے باتیں کیں“[2]

---

[1] اعمال ۴: ۳۶، ۳۷ [2] ایضاً ۹: ۲۶، ۲۷

گیارہویں اصحاح میں ہے:

"ان لوگوں کی خبر یروشلم کے کلیسا کے کانوں تک پہنچی اور انھوں نے برنباس کو انطاکیہ تک بھیجا وہ پہنچ کر اور خدا کا فضل دیکھ کر خوش ہوا اور ان سب کو نصیحت کی کہ دلی ارادہ سے خداوند سے لپٹے رہو کیونکہ وہ نیک مرد اور روح القدس اور ایمان سے معمور تھا"[1]

اور تیرھویں اصحاح میں اس طرح ہے:

"انطاکیہ میں اس کلیسا کے متعلق جو وہاں تھی کئی نبی اور معلم تھے، یعنی برنباس اور شمعون جو کالا (نیگرو) کہلاتا ہے اور لوکیئس کرینی اور مناہیم جو چوتھائی ملک کے حاکم ہیرودیس کے ساتھ پلا تھا، اور ساؤل، جب وہ خداوند کی عبادت کر رہے اور روزے رکھ رہے تھے، تو روح القدس نے کہا میرے لئے برنباس اور ساؤل کو اس کام کے واسطے مخصوص کر دو جس کے واسطے میں نے ان کو بلایا ہے تب انھوں نے روزہ رکھ کر اور دعا کر کے......... اور ان پر ہاتھ رکھ کر انھیں رخصت کیا"[2]

اور آگے تصریح ہے کہ "یوحنا ان کا خادم تھا"[3]

اور پولس کلسیوں کے نام کے خط میں لکھتا ہے کہ:

"ارسترخس جو میرے ساتھ قید ہے تم کو سلام کہتا ہے اور برنباس کے رشتے کا بھائی مرقس، (جس کی بابت تمھیں حکم ملے تھے، اگر وہ تمہارے پاس آئے تو

---

[1] اعمال ۱۱: ۲۲: ۲۴—۲۵ [2] ایضاً ۱۳: ۱—۳ [3] ایضاً آیت ۶

اس سے اچھی طرح ملنا[1]:

ان دینی نصوص خصوصاً سفر اعمال کی تصریحات سے جو مسیحیت کی شرح کا مستند ماخذ ہیں، برنابا کی شخصیت کے یہ پہلو سامنے آتے ہیں:

۱۔ فیاض تھے اور دعوت کے کام میں رسولوں کے لئے خرچ کرتے تھے۔

۲۔ پاک اور پاکباز اور شریف انسان تھے اور روح القدس سے ان کا واسطہ رہتا تھا

۳۔ روح القدس نے شاؤل (پولس) کے ساتھ دعوت کے لئے انھیں بھی منتخب کیا تھا

۴۔ اور کلیسا نے انھیں انطاکیہ اور طرطوس میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا۔

۵۔ اور وہ مرقس (صاحب انجیل ثانی) کے ماموں تھے۔

۶۔ انھی نے شاؤل (پولس) کی رہنمائی کی، جو تلامذہ کے مار دھاڑ کے لئے مشہور تھا جیسا کہ "اعمال" کے نویں باب سے پتہ چلتا ہے۔

اور اس کے بعد دو چیزیں قابل بحث رہ جاتی ہیں:

۱۔ مرقس کا (جو برنابا کے ساتھ خادم کی طرح رہتا تھا) برنابا کی اس رائے سے متفق ہونا کہ عیسیٰ خدا نہیں تھے، جیسا کہ صاحب "مروج الاخبار فی تراجم الابرار" نے نقل کیا ہے کہ مرقس الوہیت مسیح کے منکر تھے اور ان کے استاذ پطرس کا بھی یہی خیال تھا۔

۲۔ یہ کہ کلیسا نے انجیل برنابا کو کیوں نہیں تسلیم کیا، حالانکہ وہ مرقس، لوقا، اور یوحنا کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہیں، اور وہ مرقس کے استاذ ہیں، اور انجیل کے مطابق وہ پولس کے بھی امام اور مقتدا ہیں؟

---

[1] پولس کا خط کلسیوں کے نام ۴: ۱۰

ان دونوں باتوں پر مسلم اور غیر مسلم دونوں ہی طرح کے محققوں کو خاص توجہ کرنی چاہیئے، یہ احترام علم اور تعصب، جمود، اور خود رائی سے بچنے کا خاص تقاضا ہے۔

برنابا کا دینی مقام

اوپر جو نصوص ہم نے نقل کئے ہیں، ان سے برنابا کا دینی مقام بڑی حد تک واضح ہو جاتا ہے، "اعمال" کے گیارہویں باب میں ہے کہ:

> "انھوں نے برناباس کو انطاکیہ تک بھیجا ـــــــ کیونکہ وہ نیک مرد اور روح القدس اور ایمان سے معمور تھا۔"[1]

اور تیرہویں اصحاح میں ہے کہ:

> "روح القدس نے کہا میرے لئے برناباس اور ساؤل کو اس کام کے واسطے مخصوص کرو جس کے واسطے میں نے ان کو بلایا ہے۔"[2]

ان وضاحتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ برنابا اولین مسیحیت کے خاص ارکان و اعیان میں سے تھے، اس لئے مسیحیوں کا اس پر اجماع ہے کہ وہ مقدس بزرگ اور رسول تھے، اور ان پر روح القدس نازل ہوتا تھا، البتہ وہ انھیں حواری تسلیم نہیں کرتے، اگرچہ ان کی انجیل انھیں حواری ثابت کرتی ہے، بہر حال وہ مرقس کے استاذ اور مرقس ان کے خادم تھے، اور وہ پولس کے بھی رہنما تھے، اور پولس کو اس کے باقی شاگردوں سے ملانے کے سلسلے میں وہ پولس کے محسن بھی نظر آتے ہیں۔

اس طرح برنابا اپنی انجیل کے مطابق حواری ثابت ہوتے ہیں، یا وہ ان رسولوں میں

---

[1] اعمال ۱۱: ۲۳، ۲۴
[2] ایضاً آیت ۲

معلوم ہوتے ہیں، جن کی بڑی دینی خدمات ہیں، اور خود یہ متعصب مسیحیوں کی رائے ہے، تحقیقی نظر میں برنابا کا دینی مقام کسی طرح فروتر نہیں معلوم ہوتا، اور محقق انھیں رسول اور مقدس ماننے پر مجبور ہے، اور وہ ایک مجاہد دینی داعی اور روح القدس کے مقرب نظر آتے ہیں۔

انجیل برنابا کے بارے میں

۱۔ لاطینی راہب فرامینو کا کہنا ہے کہ اسے اریانوس کے ایک خط کا پتہ چلا تھا جس میں پولس کی ان تحریروں کے بارے میں ناراضگی تھی، جو اس نے برنابا کے حوالے سے لکھی ہیں، اس واقعہ نے انھیں انجیل برنابا کی کھوج میں لگا دیا، اور اس نے اس کے لئے پوری کوشش کی چنانچہ پوپ اسکاٹس پنجم کے کتب خانہ میں اسے انجیل برنابا کا سراغ مل گیا اور اس نے خفیہ طور پر اس کے مطالعہ کے بعد اسلام قبول کر لیا، ڈاکٹر سعادہ بک کہتے ہیں کہ "جب آپ مسیحی تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ پوپ اسکاٹس کا زمانہ اخیر سولہویں صدی مسیحی کا ہے"۔

۲۔ مؤرخین مسیحیت کا اس پر اتفاق ہے کہ انجیل برنابا کا قدیم ترین نسخہ جو اطالوی زبان میں تھا، پادری کریمر کو جو جرمنی کا شاہی مشیر تھا ۱۷۰۹ء میں ملا تھا۔

۳۔ پھر کریمر کا یہ نسخہ آسٹریا کے دار السلطنت وائنا کے شاہی ذخیرہ میں پہنچ گیا اور تاریخی نظر میں اسی کو تمام انجیلوں کا اصل اور مرجع قرار دیا جاتا ہے۔

۴۔ اس اطالوی نسخہ کے علاوہ اٹالین سے ترجمہ شدہ ایک ہسپانوی نسخہ بھی دریافت ہوا لیکن اس کا مترجم نہیں معلوم ہو سکا، اور اس ہسپانوی نسخہ کو مستشرق سایل نے

انگریزی میں منتقل کیا اور اس ترجمہ کے بھی صرف چند ٹکڑے ڈاکٹر ہوائٹ کے خطبات میں نقل ہوئے ہیں۔

۵۔ ڈاکٹر سعادۃ بک کہتے ہیں کہ پوپ گلاسیس اول نے ۴۹۲ء میں پاپائے اعظم بننے کے بعد کچھ کتابوں کی نام شماری کا حکم دیا جن کا مطالعہ ممنوع تھا، ان میں ایک کتاب انجیل برنابا بھی تھی۔"

ان تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ انجیل برنابا ایک علمی حقیقت ہے، اور اس کا ظہور و خفا اور ترجمہ تاریخی طور پر ہوتا رہا ہے، اور اصحاب کلیسا نے اپنے خلاف مطلب پاکر کتب ممنوعہ میں داخل کر دیا ——— بہر حال تاریخی طور پر انجیل برنابا کے سلسلے میں یہ باتیں واضح ہیں کہ:

۱۔ مؤرخین کا اس پر اتفاق ہے کہ پہلا نسخہ اطالوی زبان میں تھا جسے کریمر نے ۱۷۰۹ء میں دریافت کیا تھا۔

۲۔ یہ نسخہ ایک مسیحی راہب کے ذریعہ وائنا کے شاہی ذخیرے میں منتقل ہوا اور وہاں ۱۷۳۸ء تک موجود رہا۔

۳۔ ہسپانوی زبان کا نسخہ اس متعصب حکومت کے قبضہ میں رہا جو اسلامی اندلس کے کھنڈر پر تعمیر ہوا تھا۔

۴۔ ہسپانوی نسخہ کا انگریزی ترجمہ ایک مستشرق نے کیا تھا، اور مستشرقین کا تعصب مشہور ہے۔

۵۔ پھر پادری فرامینو کی کوشش سے جو اس نے اریانوس کی تحریر سے متاثر ہو کر شروع کی تھی، اس انجیل کا نسخہ دریافت ہوا تھا۔

۶۔ اور پھر فرامینو نے پادری اسکالٹس کے ذخیرے میں انجیل برنابا کو دریافت کیا، اور مطالعے کے بعد مسلمان ہوگیا، یہ انجیل برنابا کی مختصر تاریخ تھی جس سے معلوم ہوا کہ اس کا کاتب حوارئین یا مرسلین و مقدسین کا ایک فرد اور اصل عیسائیت کا مجاہدُ داعی ہے۔

اس کی تدوین کی زبان اطالوی اور ہسپانوی زبانیں ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ اطالوی ہسپانوی زبان کی بنیاد ہے۔ اس کا مترجم مستشرق سایل ہے جس کے شذرات ڈاکٹر ہوائٹ کے خطبے میں آئے ہیں۔

مؤرخین اس کے پہلے نسخے کی دریافت کا زمانہ پندرہویں اور سولہویں صدی مسیحی کا نصف بتاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ۱۷۰۹ء کا دریافت شدہ اطالوی نسخہ وہی نسخہ ہے، جو فرامینو کو اسکالٹس خاص کے ذخیرے میں ملا تھا۔

اس سے ظاہر ہوا کہ انجیل برنابا طویل گم شدگی کے بعد دو زبانوں میں ظاہر ہوئی اور اس کا ترجمہ مسیحی فضا اور مسیحی دنیا میں اس دور میں ہوا جبکہ مسیحیت پاپائیت شہنشاہیت اور علوم وفنون میں سرایت کیے ہوئے تھی، چنانچہ پہلا دریافت کرنے والا فرامینو بھی مسیحی تھا اور دوسرا پادری کریمر جرمنی کی مسیحی بادشاہت کا مشیر تھا۔ پھر یہ نسخہ آسٹریا کی مسیحی شہنشاہیت کے قبضہ میں آیا اور ہسپانوی ترجمہ بھی ایک مسیحی حکومت میں ظاہر ہوا اور اس کا ترجمہ بھی ایک مسیحی مستشرق سایل نے کیا۔

ان تمام باتوں کے بعد پھر مسیحیوں کا اس نسخہ کا انکار سمجھ میں نہیں آتا اور کلیساء مسیحی کونسلوں، اور پاپاؤں کا پانچویں صدی سے اس انجیل کو ممنوع قرار دینا اس سے بھی بڑھ کر تعجب خیز ہے، یہ باتیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں، اور غور و فکر کے قابل ہیں، تا آنکہ حق کی

اس روشنی کو ہم عام نہ کر دیں جسے بجھانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

انجیل برنابا کی اہمیت

آئندہ بحثوں میں ضرورت اور افادیت کے خیال سے یہاں انجیل برنابا کی اہمیت دکھانا ضروری ہے اس لئے کہ یہی چیزیں ان علمی و دینی مسائل کی بنیاد تھیں جنھوں نے کونسل کلیسا اور پوپ کو انجیل برنابا کی ممانعت پر ابھارا۔

۱۔ برنابا ایک مقدس شخصیت اور مجاہد تھے جس میں کسی کو اختلاف نہیں، پھر وہ مرقس کے استاذ اور پولس کے رہنما تھے۔

۲۔ اور ان کی رائے پطرس کی رائے سے متفق ہے کہ مسیح میں الوہی شان نہیں تھی۔

۳۔ ان کا خیال ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹوں میں سے ذبیح، اسماعیلؑ تھے، نہ کہ اسحاقؑ۔

۴۔ وہ صراحۃً رسول اللہؐ کی بشارت دیتے تھے۔

۵۔ وہ دوسری انجیلوں کے برخلاف حضرت مسیحؑ کے مصلوب نہ ہونے کے قائل ہیں، اور اس کے ماننے والوں کی سرزنش کرتے ہیں۔

۶۔ وہ تثلیث کے قائل نہیں، اور مسیحیت کے نئے طریقوں کو بدعت اور اختراع سمجھتے ہیں۔

ان عقائد کے بارے میں خود انجیل برنابا میں صراحت ہے، مثلاً مسیحؑ کی ابنیت کی نفی کے بارے میں ہے:

> "عزیزو بیشک خدائے عظیم و عجیب نے اسی پچھلے زمانہ میں اپنے نبی یسوع مسیح کی معرفت ہماری خبرگیری بڑی مہربانی سے کی ان آیتوں اور اس تعلیم کے بارے میں جس کو شیطان نے تقوی کے نمائشی دعوی سے بہت سارے آدمیوں کو گمراہ بنانے کا

ذریعہ ٹھہرا لیا ہے، ایسے آدمی کو وہ سخت کفر کی منادی کرنے والے ہیں، مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں، اور ختنہ کرانے سے انکار کرتے ہیں، جس کا خدا نے ہمیشہ حکم دیا ہے، ہر نجس گوشت کو جائز بتاتے ہیں، یہ آدمی ایسے ہیں کہ ان کے شمار میں پولس بھی گمراہ ہوا، وہ پولس کہ اس کی نسبت میں جو کچھ کہوں افسوس ہی سے کہتا ہوں وہی ایسا سبب ہے کہ اس کی وجہ سے میں اس حق کو لکھ رہا ہوں، جسے کہ میں نے اسی اثنا میں دیکھا اور سنا ہے، جبکہ میں یسوع کی رفاقت میں تھا۔[1]

تثلیث کی تردید میں کہتے ہیں:

"کاہن نے جواب میں کہا یہودیہ تیری نشانیوں اور تعلیم کے سبب سے بے چین ہو گئی ہے، وہ سب آدمی کھلے طور سے کہہ رہے ہیں کہ تو ہی خدا ہے، پس میں قوم کی وجہ سے مجبور ہوا کہ رومانی حاکم اور بادشاہ ہیرودس کے ساتھ یہاں تک آؤں پس ہم اتنے تہ دل سے تجھ سے امید کرتے ہیں کہ تو اس فتنہ کو جو تیرے ہی سبب سے برپا ہوا ہے فرو کرنے پر راضی ہوگا، اس لئے کہ ایک فریق کہتا ہے کہ تو ہی اللہ ہے اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ تو اللہ کا بیٹا ہے اور ایک اور فریق کہتا ہے کہ تو نبی ہے۔؟

یسوع نے جواب میں کہا "اور اے کاہنوں کے سردار تو نے کیوں نہیں فتنے کو فرو کیا، کیا تو بھی دیوانہ ہو گیا، کیا نبوتیں اور اللہ کی شریعتیں سب ملیامیٹ ہو گئیں؟ اے بدبخت یہودیہ جس کو شیطان نے گمراہ کر دیا ہے، اور جبکہ یسوع نے یہ کہا وہ لوٹا اور دوبارہ کہا "بے شک میں آسمان کے سامنے گواہی دیتا ہوں

---

[1] مقدمہ انجیل برنابا۔

اور ہر ایک زمین پر رہنے والے کو گواہ بناتا ہوں کہ تحقیق میں ان سب باتوں سے بے تعلق ہوں جو لوگوں نے میری نسبت کہی ہیں کہ میں (یسوع) انسان سے بڑھ کر ہوں اس لئے کہ میں ایک انسان ایک عورت کے بطن سے پیدا ہوا ہوں اور اللہ کے حکم کا نشانہ ہوں، مثل تمام دیگر آدمیوں کے زندگی بسر کرتا ہوں، عام تکلیف کا نشانہ بن کر"[1]

نظریۂ ابنیت کی تردید میں ہے:

"یسوع نے جواب میں کہا" اور خود تمہارا میرے بارے میں کیا قول ہے؟ پطرس نے جواب دیا: تو مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہے، تب اس وقت یسوعؑ برہم ہوا اور اس کو غصے کے ساتھ یہ کہتے ہوئے جھڑکا: میرے پاس سے چلا جا اس لئے کہ تو شیطان ہے، اور مجھے برا سلوک کرنے کا قصد رکھتا ہے"[2]

حضرت اسماعیل کے ذبیح ہونے کے سلسلے میں ہے:

"میں تم سے سچ کہتا ہوں اگر تم فرشتہ جبریل کے کلام میں غور کرو گے تو تم کو ہمارے کاتبوں اور فقیہوں کی بد باطنی کا علم ہو جائے گا، کیونکہ فرشتے نے کہا، "اے ابراہیم عنقریب تمام دنیا جان لے گی کہ اللہ تجھ سے کیسی محبت کرتا ہے، مگر دنیا کو تیری اللہ کے ساتھ محبت کیونکر معلوم ہو یقیناً تجھ پر واجب ہے کہ تو خدا کی محبت کے لئے کچھ کرے، ابراہیم نے جواب دیا: یہ خدا کا بندہ مستعد ہے کہ جو خدا کا ارادہ ہو وہی کرے، تب اس وقت اللہ نے ابراہیم سے کہا، تو اپنے پہلوٹے بیٹے اسماعیل کو لے اور پہاڑ پر چڑھ جا تاکہ اس کو قربانی کے طور پر پیش کرے۔

---

[1] برنابا ۹۳: ۱۸-۲۳ [2] ایضاً ۷۰: ۴-۶

"پس اسحاق کیوں کر پہلوٹا ہو سکتا ہے، حالانکہ جب وہ پیدا ہوا تھا اس وقت اسماعیل کی عمر سات سال کی تھی"[۵۱]

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارت کے سلسلے میں ہے:

"وہ نشانیاں جو خدا میرے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے، ظاہر کرتی ہیں کہ میں اللہ کے ارادے سے کلام کرتا ہوں، اور میں اپنے کو اس نبی جیسا نہیں سمجھتا جس کے بارے میں تم کہتے ہو اس لیے کہ میں تو اس کا بھی اہل نہیں کہ رسول اللہ کے جوتوں کے تسمے کھولوں جسے تم مسیا کہتے اور مجھ سے پہلے پیدا ہوا ہے، اور میرے بعد کلام حق لے کر آئے گا، اور اس کے دین کی انتہا نہ ہوگی۔"

ڈاکٹر سعادۃ بک "مسیا" سے مراد "محمد" لیتے ہوئے کہتے ہیں:

برنابا نے محمدؐ کا ذکر کئی فصلوں میں صراحت کے ساتھ کیا ہے، اور انھیں رسول اللہ بتایا ہے، اور ذکر کیا ہے کہ جب آدمؑ جنت سے نکالے گئے تو جنت کے دروازے پر یہ سطریں نورانی حروف میں لکھی ہوئی دیکھیں:

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ"[۵۲]

ایک اہم نکتہ

مطالعۂ مسیحیت کے لیے بنیادی اصول پیش کرنے سے پہلے یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ قرآن کی بیان کردہ عیسائیت کی تائید خود عیسائیوں کی تحریروں سے دکھا دی جائے، جو اناجیل اربعہ اور انجیل برنابا کے موازنہ پر مشتمل ہو، اس طرح مطالعۂ مسیحیت

---

[۵۱] انجیل برنابا ۴۴: ۵-۱۱ ص ۶۹ [۵۲] دیباچہ برنابا ص ۲۰۔

کے لئے رہنما اصول کی تیاری میں مدد ملے گی۔

پھر ایک جائزے میں یہ دکھانے کی بھی کوشش ہوگی کہ ان انجیلی تعلیمات کو خود علمائے مسیحیت کہاں تک تسلیم کرتے ہیں، اور یہاں ہم پھر ایٹن ڈینیہ اور ڈاکٹر نظمی لوقا مصری کے بیانات درج کریں گے تاکہ وہ اپنے مسیحی دوستوں کو ایک نئی روشنی دکھا سکیں۔

عیسائیت

اناجیل اربعہ اور انجیل برناباکی روشنی میں

عقائد اور انجیلیں

۱۔ نوفل بن نعمت اللہ بن جرجس نصرانی اپنی کتاب "سوسنۃ سلیمان" میں کہتا ہے کہ

> نصاریٰ کا عقیدہ جو کلیسا کے اختلاف سے نہیں بدلتا، وہ جسے نیقیہ کی کونسل نے صحیح کہا ہے، یہ ہے، ایک خدا پر ایمان، ایک باپ ہے، جو کائنات کا نگران ہے اور آسمان و زمین اور تمام مرئی اور غیر مرئی چیزوں کا خالق ہے، اور ایک رب جو باپ کا اکلوتا بیٹا ہے، اور جو صدیوں پہلے نورِ خدا سے پیدا ہوا تھا، وہ خدائے برحق سے پیدا شدہ خدائے برحق ہے اور مخلوق سے نہیں پیدا ہوا۔ وہ جوہر میں باپ سے متفق ہے جس سے ہر شے نکلی ہے، وہ ہم انسانوں اور ہمارے گناہوں کے سبب آسمان سے اترا اور روح القدس اور کنواری مریمؑ سے جسم حاصل کیا اور پیلاطس کے عہد میں ہماری طرف سے سولی پر چڑھا۔

۲۔ ڈاکٹر پوسٹ اپنی کتاب "تاریخ کتاب مقدس" میں کہتا ہے:

"خدائی ذات تین برابر کے اقانیم سے عبارت ہے اللہ باپ، اللہ بیٹا، اور اللہ روح القدس، سلسلۂ تخلیق بیٹے کے واسطے سے باپ تک پہنچتا ہے، بیٹے کی طرف کفارہ اور فدیہ کا انتساب ہوتا ہے، اور روح القدس سے تطہیر و تزکیہ منسوب ہے:"

۳۔ اس کلام کی شرح پادری پوٹر نے رسالے "الاصول والفروع" میں یوں کی ہے:

"جب خدا نے دنیا پیدا کی اور انسان کو اس کا سرتاج بنایا تو ایک عرصے تک وہ اس کے لئے صرف اپنی وحدانیت ہی کا اعلان کرتا رہا جیسا کہ یہ تورات سے معلوم ہوتا ہے:"

ان بیانات سے علمائے مسیحیت کی یہ رائے ظاہر ہوتی ہے کہ:

۱۔ وہ تثلیث کو صحیح سمجھتے ہیں۔
۲۔ حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ کہتے ہیں۔
۳۔ اقانیم ثلاثہ کے جوہر ذاتی کو مساوی سمجھتے ہیں۔
۴۔ عیسیٰؑ کے نزول کا مقصد بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ قرار دیتے ہیں۔

لیکن مصری پادری ابراہیم سعید اپنے رسالہ البشارت لوقا میں اقانیم کو ایک کہنے اور ولادت کو لفظی معنی میں نہیں بلکہ محبت کے معنی میں قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ:

"ابن اللہ کے معنی اللہ سے طبعی اور ذاتی طور پر پیدا ہونے کے نہیں ورنہ انھیں ولد اللہ (خدا کا بچہ) کہا جاتا اور اس کے وہ معنی بھی نہیں جس معنی میں مسیحیوں کو خدا کے بیٹے کہا جاتا ہے، اس لئے کہ خدا سے مسیحؑ کی نسبت عام مسیحیوں جیسی نہیں اور

اس سے چھوٹی بڑی کا کوئی فرق بھی مقصود نہیں ہے، نہ زمانے اور جوہر کا خلاف بتانا ہے، البتہ وہ مسیح اور خداوند کی باہمی محبت کی ایک تعبیر ہے اس لئے کہ باپ اور بیٹے کی محبت اس کا ایک ہلکا نمونہ اور اس کی ایک ہلکی سی جھلک ہی کہی جا سکتی ہے، اس تعبیر سے ہمیں یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ مسیح ہی وہ واحد شخص ہیں، جن کو خدا کی رضا حاصل ہے، اور جنھوں نے خدائی وعیت کے پیش نظر موت کو قبول کیا اور صلیب پر چڑھ گئے، اور اسی وجہ سے انجیل میں کہا گیا کہ وہ

میرا محبوب بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔

پادری ابراہیم سعید کو یہ صفائی دینے اور مسیحی تعلیمات کی فلسفیانہ تعبیر کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ انجیل میں حضرت عیسیٰؑ نے تورات کو مستند قرار دیا ہے، اور تورات میں توحید کی دعوت، اس کی ترغیب اور ہر قسم کے شرک اور اس کے مظاہر کی تردید آئی ہے، اس لئے انجیل کے شرک اور تورات کی توحید کو ہم آہنگ کرنے کے لئے مسیحی پادری، پادری ابراہیم سعید ہی کی طرح تاویلیں کرتے ہیں۔

شرک اور تثلیث سے متعلق انجیلوں کے ان مقامات کو دیکھا جا سکتا ہے:

۱۔ یوحنا:۔ ۳۴/۱، ۵۰، باب ۳۰/۱۰، باب ۲۸/۲۰،

۲۔ متی:۔ باب ۱۶/۵، باب ۱۷/۳، باب ۶۳/۲۶، باب ۲۴/۸ و ۲۷، باب ۱۹/۲۸

۳۔ مرقس:۔ باب ۶۱/۱۴

۴۔ اشعیاہ:۔ باب ۵/۹، باب ۱۴/۷، باب ۱/۶۔

دارورسن کی آزمائش یا صلیب مسیحؑ

انجیل لوقا میں ہے کہ:

"ابن آدم اس لئے آیا تاکہ صلیب سے مرنے والوں کا کفارہ بنے۔ اس نے اپنی محبت ورحمت سے نجات کا راستہ بنا دیا۔"

انجیل یوحنا میں ہے:

"دوسرے دن اس نے یسوع کو اپنی طرف آتے دیکھ کر کہا: دیکھو یہ خدا کا برّہ ہے جو دنیا کا گناہ اٹھائے جاتا ہے۔" (۱:۱۹)

انجیل لوقا میں ہے:

"اس نے سب سے کہا جو میرے پیچھے آنے کا ارادہ کرے تو اپنے نفس کا انکار کرے اور ہر روز اپنی صلیب اٹھا کر میرے ساتھ چلے۔"

اور انجیل یوحنا میں ہے:

"پس وہ یسوع کو لے گئے اور وہ اپنی صلیب آپ اٹھائے، اس جگہ تک باہر گیا جو کھوپڑی کی جگہ کہلاتی ہے۔ اور جس کا ترجمہ عبرانی میں گلگتا ہے، وہاں انھوں نے اس کو اور اس کے ساتھ اور دو شخصوں کو مصلوب کیا۔" (۱۹: ۱۷، ۱۸)

پادری ابراہیم سعیدان نصوص کی شرح کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"معلم کے نقش قدم تلامذہ کے لئے رہنما ہوتے ہیں، اس لئے اگرچہ مسیح ہماری طرف سے سولی پر چڑھ گئے، اور ان کے بارے میں کہا گیا کہ انھوں نے حق ادا کر دیا، لیکن اس مصلوبیت کی وجہ سے ہم پر ذمہ داری عائد ہو گئی۔

یہ نہیں کہ ہم مسیح مظلوم کے شریک بن جائیں بلکہ ہماری شرکت کے یہ معنی ہیں کہ ہم عملاً ان کی قربانی کی روح میں شریک ہوں۔

مسیح کے صلیب پر چڑھنے کے معنی ہیں کہ ان کی موت ہوگئی لیکن ایک مسیحی کی صلیب کے معنی ہیں کہ انانیت، حب ذات اور نفس پرستی کی موت ہوجائے۔"

اس طرح مسیحیوں کے یہاں صلیب اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت مسیح کے نقش قدم کی پیروی کی جائے یہاں چند قابل غور امور سامنے آتے ہیں:

۱۔ کیا پھانسی پانا مسیح کا عمل قرار دیا جائے گا اور کیا اسے ایسی دینی چیز مانا جائے گا جس کی مسیح نے تعلیم دی ہو۔؟

۲۔ کیا مسیح نے اس شخص کے لئے استغفار کیا تھا جس نے انھیں رومی حکومت کے حوالے کیا تھا یا مسیح نے پھانسی کے حکم کو بغیر کسی ناگواری کے قبول کیا تھا؟

انجیل یوحنا میں ہے کہ:

"یسوع نے اسے جواب دیا کہ اگر تجھے اوپر سے نہ دیا جاتا تو تیرا مجھ پر کچھ اختیار نہ ہوتا اس سبب سے جس نے مجھے تیرے حوالے کیا اس کا گناہ زیادہ ہے۔" (۱۹:۱۱)

پھر کیوں کر کہا جا سکتا ہے کہ مسیح ابنی آدم کے گناہوں کے کفارے کے طور پر مصلوب ہوئے حالانکہ وہ اپنے گرفتار کرانے والے کو بڑا گناہ گار کہتے ہیں۔؟

اسٹین ڈینیہ کی رائے مسیحیت کے بارے میں

"مسیحیت میں خدا کا تصور ایک عمر دراز آدمی کا ہے جس پر ضعف اور بڑھاپے کے تمام آثار ظاہر ہو چکے ہیں، اور اس کے چہرے کی لٹکی ہوئی جھریوں اور سلوٹوں اور اس کی

لمبی سفید داڑھی سے دلوں میں موت اور فنا کی یاد بیدار ہو جاتی ہے۔ اسی لئے ہم مسیحیوں کو 'خدائے تعالیٰ زندہ باد' کا نعرہ لگاتے سنتے ہیں اور ہمیں تعجب نہیں ہوتا، بلکہ اس لیے تعجب نہیں ہوتا کہ جب ان کے عقیدے میں خدا بوڑھا ہو چکا ہے تو (نعوذ باللہ) اس کی موت سے ڈر کر اس کی حیات کے لئے تو وہ دعا مانگیں ہی گے۔

اسی کے ساتھ بیٹے، ماں، ماں کے شوہر، صلیب، یسوع کے دل کے لئے دعائیں مانگی جاتی ہیں، اور ان کی ہزاروں تصویریں احترام و تقدیس کے جذبات ظاہر کرتی ہیں اور وہ اسی طرح ان کے لئے مقدس ہیں، جیسا کہ بت پرستوں کے لئے ان کے بت۔

ایسے ہی یہودی توحید کے دیوتا "یاھو" کی تصویریں بنائی جاتی ہیں جنھیں ویٹیکن اور انجیل کے پرانے مصور نسخوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔[1]

۲۔ وہ خدا اور انسانوں کے درمیان پادریوں کی وساطت اور مغفرت کے پروانوں کے بارے میں کہتا ہے کہ: یہ واسطے مذاہب کے لئے ایک مصیبت کہے جا سکتے ہیں، خواہ ان کے عقائد، اخلاص، اور حسن نیت کا جو حال بھی رہا ہو، اسی لئے حضرت مسیح نے ہیکل کے دکانداروں کی ملامت کی تھی، اگرچہ ان کے متبعین نے ایسا نہیں کیا، آج اگر مسیحؑ تشریف لائیں تو کیا ان ہیکل کے بنیوں کو نکال باہر نہ کریں؟ اس کے علاوہ اکثر بلاؤں، مصیبتوں، بلکہ خونریزیوں کا سبب کیا یہ درمیانی واسطے ہی نہیں ہیں؟ خواہ وہ واسطے خاندانی ہوں یا قومی نوعیت کے، وہ سب خدا کی عظمت کے پردے میں یہ سب کچھ کرتے ہیں۔

۳۔ وہ کلیسا کے تصرفات کے بارے میں کہتا ہے کہ: انھوں نے انجیل کی آیات، اس کے مطالب، اور امر و نہی کے احکام میں حضرت عیسیٰ کے مقصد اور ہدف کو نظر انداز

---

[1] اشعۃ خاصۃ بنور الاسلام، ۲۵، ۲۶

کر کے من مانے تصرفات کیے اور حضرت مسیحؑ کے اس قول کا مفہوم نہیں سمجھ سکے کہ:

"میں زمین پر آگ بھڑکانے آیا ہوں اور اگر لگ چکی ہوتی تو میں کیا ہی خوش ہوتا، لیکن مجھے ایک بپتسمہ لینا ہے، اور جب تک وہ نہ ہولے میں بہت ہی تنگ رہوں گا، کیا تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں میں تم سے کہتا ہوں کہ نہیں بلکہ جدائی کرانے کیونکہ اب سے ایک گھر کے پانچ آدمی آپس میں مخالفت رکھیں گے دو سے تین اور تین سے دو۔ باپ بیٹے سے مخالفت رکھے گا اور بیٹا باپ سے، ماں بیٹی سے اور بیٹی ماں سے، ساس بہو سے اور بہو ساس سے۔"

(لوقا ۱۲: ۴۹، ۵۳)

ڈاکٹر نظمی لوقا کے خیالات

۱۔ مسیحی عقیدہ کے بارے میں ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں کہ: "لم یلد ولم یولد، ولم یکن لہ کفوا احد۔۔۔ کا اسلامی نظریہ شرک کے لئے ایک چیلنج ہے، اور اہل کتاب کے عقائد کے لئے بھی ایک اصلاحی اعلان ہے، اس لئے کہ مسیح کے متبعین ان کی الوہیت اور ابنیت کے ساتھ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ خدا کا جوہر ایک لیکن اس کے تین اقانیم ہیں، لیکن مسیحؑ کے حواریوں کی بشارتوں میں اس کی کوئی تصریح نہیں کہ یہ خود مسیحؑ کا بھی عقیدہ تھا، بلکہ وہ اس کے برخلاف اپنے کو برابر ابن آدم ہی کہتے رہے، مسیحؑ نے ایک موقع پر وعظ فرماتے ہوئے لوگوں سے کہا کہ خدا بندوں پر کس قدر مہربان ہے کہ وہ فضا کے طیور اور جنگل کے جانوروں کو ان کی غذا بنائے ہوئے اور ان کے کھیتوں کو پھل پھول سے زینت دیئے ہوئے ہے، اس لئے انھیں دنیا کی دولت و قوت اور زیب و زینت پر

اپنی ساری توجہ نہیں لگا دینی چاہیے۔ لوگوں کو سادہ عقیدے کی طرف بلانا اور خالص توحید کی دعوت دینا شروع کیا تھا۔ اس لئے ایک بنیادی خالص توحید کا نظریہ لے کر آیا اور اس نے ”لم یلد“ کا جو نظریہ دیا وہ ایک عقل میں آنے والی بات ہے، کیونکہ جس کی اولاد نہیں تو وہ بھی کسی کی اولاد نہ ہوگا۔

> ”اللہ سبحانہ تعالیٰ اپنی جنس و نسل کا ایک فرد ہو ایسا نہیں، بلکہ اس کی نظیر و مثال ہی ناممکن و محال ہے۔“[1]

۲۔ گناہ کفارہ اور صلیب کے بارے میں کہتے ہیں: ”میں بھول سکتا ہوں لیکن وہ ہول اور گھبراہٹ نہیں بھول سکتا جو بچپن میں مجھ پر آدم کے گناہ اور جہنم کی روح فرسا حالات کو سن کر طاری ہوتی تھی جس میں حوّا کے مشورہ پر چلنے کے سبب آدمی داخل ہوگا۔ اور یہ کہ اگر مسیحؑ اپنے پاک خون سے کفارہ نہ کرتے تو انسانیت کا انجام ہلاکت ہوتی۔ اسی طرح مسیحؑ سے پہلے کے بھی لاکھوں انسانوں کے انجام پر میرا دل لرزتا کہ وہ کہاں ہوں گے اور ان کے گناہ کا کفارہ کئے بغیر انھیں کیوں گناہ کی حالت ہی میں موت دیدی گئی؟ اس عقیدہ کو دیکھتے ہوئے ایک ایسے عقیدے کا وجود بھی ضروری تھا، جو انسان کے کندھے سے لعنت کا یہ بوجھ اتارے اور اورانھیں اس عدالت کا سراغ دے جو مجرموں کے ساتھ بے گناہوں کو بھی نہیں پکڑتی، اور نہ باپ کا گناہ بیٹے پر لادتی ہے، بلکہ وہ بشریت کے لئے عزت و حرمت کی ضمانت دیتی ہے۔ قرآن اس مسئلہ کا تصفیہ کرتے ہوئے قصۂ آدم کے سلسلے میں کہتا ہے:

”وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی ثُمَّ اجْتَبٰہُ رَبُّہٗ فَتَابَ عَلَیْہِ وَھَدٰی“ (اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور گمراہ ہوا، پھر اس کے رب نے اسے اپنا بنالیا اور اسے توبہ و ہدایت کی توفیق دی)

---

[1] محمد: الرسالۃ والرسول ۶۵، ۶۷۔

۲۔ ڈاکٹر نظمی لوقا دینِ حق کے بارے میں لکھتے ہیں: حق یہ ہے کہ اس اسلامی عقیدہ کی قدر جو انسان کو موروثی گناہ سے بری سمجھتا ہے،......... وہی کر سکتا ہے جو "عیسائیت" کے موروثی گناہ کے عقیدے کے سائے میں رہا ہے جو عقیدہ انسان کے تمام اعمال کو ندامت اور گناہ کے رنگ سے رنگ دیتا ہے؛ اور زندگی میں اس کا سلوک ایک متردد اور شکی انسان کا جیسا ہوتا ہے، اور وہ ایک پر اعتماد آدمی کی طرح قدم نہیں اٹھاتا کیونکہ موروثی گناہ کے تصور نے اس کی کمر توڑ دی ہے۔

گناہ اور کفارہ کا یہ ظالمانہ عقیدہ زندگی کے تمام سرچشموں کو زہر آلود کر دیتا ہے اس بوجھ سے انسانوں کو نجات دلانا انسان پر سب سے بڑا احسان کہا جا سکتا ہے، اور وہ اس میں نئی زندگی اور نئی روح پھونکنے کے مترادف ہے۔ انسان کو بری قرار دے کر اس کے اندر اعتماد و اعتبار کا جذبہ پیدا کرنا انسان کو ذمہ دار بنا دینا ہے۔ دنیا کے تمام انسان عظمتِ انسانیت اور احترامِ آدمیت میں برابر کے شریک اور امت واحدہ ہیں، جیسا کہ سورۂ انبیاء میں مذکور ہے:

إِنَّ هٰذِهٖٓ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ۔ (الانبیاء-۹۲)	تمہاری امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں تو تم میری عبادت کرو۔

مسیحیت
انجیل برنابا کی روشنی میں

١۔ عقیدہ

برنابا اپنی انجیل کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

> "کچھ آیات کو شیطان نے مدعیانِ تقویٰ، اور داعیانِ شرک کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنایا ہے، جیسے وہ مسیح کو خدا کا بیٹا مانتے اور ختنہ کے خدائی حکم کو ترک کرتے ہیں۔"

اس سے برنابا کا مسیحیت سے اختلاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ مسیح کو ابن اللہ نہیں مانتے، برنابا اپنی انجیل کے سترویں باب میں اس عقیدہ پر اور اصرار کرتے ہیں:

> "مسیحؑ نے کہا میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس پر پطرس نے کہا آپ مسیحؑ ابن اللہ ہیں تو اس وقت مسیح غضبناک ہو گئے، اور انھیں ڈانٹتے ہوئے کہا یہاں سے دور ہو جاؤ اس لئے کہ تمہیں شیطان ہو اور تم میرا برا چاہتے ہو۔"

وہ فصل ۹۳ کے اخیر میں کہتے ہیں:

"کاہن نے "یسوع" کے جواب میں کہا: تحقیق یہودیہ تیری نشانیوں اور تعلیم کے
سبب سے بے چین ہو گئی ہے، وہ سب آدمی کھلے طور سے کہہ رہے ہیں کہ تو ہی خدا ہے
پس میں قوم کی وجہ سے مجبور ہوا کہ رومانی حاکم اور بادشاہ ہیرودس کے ساتھ
یہاں تک آؤں پس ہم اپنے تہ دل سے تجھ سے امید کرتے ہیں کہ تو اس فتنہ کو جو تیرے
ہی سبب برپا ہوا ہے فرو کرنے پر راضی ہوگا، اس لئے کہ ایک فریق کہتا ہے کہ تو ہی
اللہ ہے، اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ تو اللہ کا بیٹا ہے، اور ایک اور فریق کہتا ہے کہ تو نبی
ہے۔ یسوع نے جواب میں کہا اور اے کاہنوں کے سردار تو نے ہی کیوں نہیں فتنہ کو
فرو کیا؟ کیا تو بھی دیوانہ ہو گیا، کیا نبوتیں اور اللہ کی شریعتیں سب ملیامیٹ ہو گئیں
اے بدبخت یہودیہ جسکو شیطان نے گمراہ کر دیا ہے، اور جبکہ یسوع نے یہ کہا وہ لوٹا
اور دوبارہ کہا "بے شک میں آسمان کے سامنے گواہی دیتا ہوں اور ہر ایک زمین پر
رہنے والے کو گواہ بناتا ہوں کہ تحقیق میں ان سب باتوں سے بے تعلق ہوں
جو لوگوں نے میری نسبت کہی ہیں کہ میں (یسوع) انسان سے بڑھ کر ہوں، اس لئے
کہ میں ایک انسان ایک عورت کے بطن سے پیدا ہوا ہوں اور اللہ کے حکم کا نشانہ ہوں
مثل تمام دیگر آدمیوں کے زندگی بسر کرتا ہوں عام تکلیف کا نشانہ بن کر قسم ہے
اللہ کی جان کی وہ اللہ کہ میری جان اس کے حضور میں استادہ ہوگی اے کاہن تو نے
فی الواقع اس بات کو کہہ کر بہت بڑی خطا کی ہے، اللہ اس مقدس شہر پر مہربانی
فرمائے تاکہ اس پر کوئی بڑی آفت اس گناہ کی وجہ سے نہ آئے۔"[1]

---

[1] انجیل برنباس (اردو) ۱۴۰ -

۲۔ صلیب کے بارے میں

> "تب اللہ نے ایک عجیب کام کیا پس یہودا بولی اور چہرے میں بدل کر یسوع کے مشابہ ہوگیا، یہاں تک کہ ہم لوگوں نے اعتقاد کیا کہ وہی یسوع ہے، اسی طرح کچھ لوگوں نے مسیح کو جھوٹا نبی سمجھ کر مسیحیت سے توبہ کرلی، اس لئے کہ ان کے خیال میں مسیح کو دنیا کے خاتمہ کے وقت یہاں سے جانا چاہئے تھا........ (مسیح نے تیسرے دن دوبارہ آسمان سے آنے کے بعد کہا)" اور اس نے ان لوگوں میں سے بہتوں کو ملامت کی جنھوں نے اعتقاد کیا تھا کہ وہ یسوع مر کر پھر جی اٹھا ہے یہ کہتے ہوئے آیا تم مجھ کو اور اللہ دونوں کو جھوٹا سمجھتے ہو؟ اس لئے کہ اللہ نے مجھے ہبہ فرمایا ہے کہ میں دنیا کے خاتمہ کے کچھ پہلے تک زندہ رہوں جیسا کہ میں نے ہی تم سے کہا ہے، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں نہیں مرا ہوں، بلکہ یہودا خائن مرا ہے، تم ڈرتے رہو اس لئے کہ شیطان اپنی طاقت بھر تم کو دھوکہ دینے کا ارادہ کرے گا لیکن تم تمام اسرائیل اور ساری دنیا میں ان سب چیزوں کے لئے جن کو تم نے دیکھا اور سنا ہے۔ میرے گواہ رہو۔"[۱۵]

یہ برنابا کی صراحت اور وضاحت تھی، اب اس سے متعلق کچھ چیزیں پیش کی جاتی ہیں:

اول: انجیل یوحنا سے یہ وضاحت کہ خود مسیح کا کہنا تھا کہ میں اپنے باپ یا رب الناس کی طرف جا رہا ہوں۔

---

[۱۵] انجیل برنباس (اردو) ۲۹۷ و ۳۰۷۔

ثانی: رسالۂ اعمال سے جس کا کاتب قبرص والوں کو برنابا اور پولس کی خدائے تعالٰے کے لئے نصیحت نقل کرتا ہے، اس لئے کہ ان دونوں نصوص میں برنابا کی ان باتوں کی تائید ملتی ہے، جو انھیں مسیح علیہ السلام کے زمانہ ہی میں معلوم ہوگئی تھیں، پھر اس کے بعد انجیل یوحنا کی ایک عبارت بھی درج ہوگی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تثلیث کا عقیدہ انجیل یوحنا کے کاتب کا عقیدہ ہے، حضرت مسیح کی اس کے بارے میں کوئی تصریح نہیں۔

> ۱۔ "یسوع نے اس (مریم) سے کہا مجھے نہ چھو کیونکہ میں اب تک باپ کے پاس اوپر نہیں گیا لیکن میرے بھائیوں کے پاس جا کر ان سے کہہ کہ میں اپنے باپ اور ان کے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں" (یوحنا ۲۰: ۱۸)

> ۲۔ "پس وہ روح القدس کے بھیجے ہوئے سلوکیہ کو گئے اور وہاں سے جہاز پر کپرس (قبرص) کو چلے اور سلمیس میں پہنچ کر یہودیوں کے عبادت خانوں میں خدا کا کلام سنانے لگے اور یوحنا ان کا خادم تھا....... لوگوں نے پولس کا یہ کام دیکھ کر لکاؤنیہ کی بولی میں بلند آواز سے کہا کہ آدمیوں کی صورت میں دیوتا اتر کر ہمارے پاس آئے ہیں..... جب برنباس اور پولس رسولوں نے یہ سنا تو اپنے کپڑے پھاڑ کر لوگوں میں جا کودے اور پکار پکار کر کہنے لگے کہ لوگو تم یہ کیا کرتے ہو؟ ہم بھی تمہارے ہم طبیعت انسان ہیں اور تمہیں خوشخبری سناتے ہیں تا کہ ان باطل چیزوں سے کنارہ کر کے اس زندہ خداوند کی طرف پھرو جس نے آسمان اور زمین اور سمندر اور جو کچھ ان میں ہے پیدا کیا اس نے اگلے زمانے میں سب قوموں کو اپنی اپنی راہ چلنے دیا تو بھی اس نے اپنے آپ کو بے گواہ نہ چھوڑا"۔
>
> (اعمال ۱۳: ۶، ۱۴: ۱۲-۱۷)

ان نصوص سے پتہ چلتا ہے کہ حقیقت کا صحیح سراغ انجیل برنابا ہی سے مل سکتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی یہ چیز بڑے اہتمام اور توجہ کی طالب ہے، یہاں یہ بھی بتانا مناسب ہوگا کہ عقیدۂ تثلیث کا موجد یوحنا ہے چنانچہ انجیل یوحنا میں ہے:

"اور یسوع نے اور بہت سے معجزے شاگردوں کے سامنے دکھائے جو اس کتاب میں لکھے نہیں گئے کہ تم ایمان لاؤ کہ یسوع ہی خدا کا بیٹا مسیح ہے اور ایمان لاکر اس کے نام سے زندگی پاؤ۔ (۲۰: ۳۰، ۳۱)

اسی سبب سے برنباس نے انجیل لکھی جیسا کہ وہ اس کے مقدمہ میں کہتے ہیں:

"جو لوگ گمراہ ہوئے ان میں پولس بھی ہے جس کا ذکر مجھے افسوس کے ساتھ کرنا پڑتا ہے، اور اسی سبب سے یہ حقیقت لکھ رہا ہوں جس کا میں نے مشاہدہ کیا ہے۔"

یہیں سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اناجیل اربعہ اور انجیل برنابا میں مسیحی مذہب و عقیدہ کے بیان میں بہت زیادہ فرق و اختلاف موجود ہے، جسے ان نکات میں متعین کیا جا سکتا ہے:

۱- اناجیل اربعہ میں تین اقانیم کا ذکر ہے جبکہ برنابا کے سہل و سادہ عقیدے میں خدا کو رب العالمین اور خالق ارض و سما کہا گیا ہے۔

۲- اناجیل اربعہ حضرت عیسیٰ کو ابن اللہ کہتی ہیں، اور برنابا انھیں خدا کا نبی کہتے اور اسی پر زور دیتے ہیں، اور پولس کی تحریفات پر اپنا صدمہ اور افسوس ظاہر کرتے ہیں، اور اس کی تصحیح کے لئے انجیل لکھتے ہیں۔

۳- اناجیل اربعہ میں حضرت عیسیٰ پھانسی پا گئے، مگر برنابا کہتے ہیں کہ انھیں پھانسی

نہیں ہوئی، ان کی وفات ہوئی بلکہ وہ اٹھا لیے گئے اس لئے۔ ان سے اس کا وعدہ کیا گیا تھا ـــــ کتنے ہی لوگ پھانسی کی خبر سن کر مسیح کو نبی کاذب سمجھنے لگے اس لئے کہ مسیح نے کہا تھا کہ وہ قیامت کے قریب انتقال کریں گے۔

کیا یہی وہ حقائق اور اختلافات نہیں جن کے سبب پوپ اور کلیسا انجیل برنابا کو حرام ٹھہرائے ہوئے ہیں؟ یا کوئی اور چیز اس پابندی کا سبب ہے؟

انجیل برنباس ایک عیسائی دانشور کی نظر میں[1]

انجیل برنباس کا واحد قدیم نسخہ جسکو دنیا میں شہرت اور اعتبار حاصل ہے، اور جس سے یہ عربی ترجمہ کیا گیا ہے، ایطالی زبان میں اور آسٹریا کے پایۂ تخت وائنا کے خاص شاہی کتب خانہ میں موجود ہے، اس کا حجم ۲۲۵ دبیز کاغذ کے صفحوں پر مشتمل ہے، سب سے پہلے اس انجیل کا اطالوی زبان کا نسخہ شاہ جرمنی کے مشیر کریمر نے پایا تھا جس وقت یہ نسخہ اس کو ملا ہے، اس وقت وہ ایمسٹرڈم (ہالینڈ) میں مقیم تھا، چنانچہ اس نے ۱۷۰۹ء میں شہر مذکور کے ایک مشہور و معزز آدمی کے کتب خانہ سے حاصل کیا، بہرحال کریمرطولند نے یہ کتاب وہاں سے اڑالی، اور اس کے چار سال بعد پرنس ایوجین سافوی کو نذر کر دی، پرنس مذکور بڑا جنگجو اور دلیر تھا لیکن جنگ جوئی اور سیاسی مشاغل کے باوجود اسے علوم اور تاریخی یادگاروں کا بے حد شوق تھا، ۱۷۳۸ء میں انجیل برنباس کا یہ نسخہ شہزادے کے کتب خانہ کے ساتھ وائنا کے شاہی دربار میں منتقل ہو گیا، اور اب تک وہیں ہے۔

اس کے علاوہ اٹھارھویں صدی کی ابتدا میں انجیل برنباس کا ایک اور نسخہ اسپینی زبان

---

[1] اضافہ از مترجم منقول از دیباچۂ انجیل برنباس (اردو) مطبوعہ لاہور

میں ملا، یہ دوسو اکیس فصلوں اور ۲۲۲ ابواب میں منقسم تھا، اور اس کے ۴۲۰ صفحات تھے، یہ نسخہ شہر ہلی (ہمپشائر) کے ڈاکٹر ہلم سے مشہور مستشرق سیل نے اڑایا، اور سیل کے بعد یہ کتاب ڈاکٹر منک ہوس کو ملی، جو آکسفورڈ یونیورسٹی کے کوئنس کالج کا ایک ممبر تھا، اس نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کر ڈالا اور ۱۷۸۴ء میں یہ ترجمہ مع اصل ڈاکٹر ہیوٹ نامی ایک پروفیسر کی نذر کر دیا، ہسپانوی ترجمہ کے آغاز میں جو عبارت ہے، وہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ ایطالی زبان کے نسخے کا ترجمہ ہے اور اس کا مترجم ایک ارغانی مسلمان مصطفےٰ العرندی ہے پھر ایک دیباچہ اور بھی ہے جس میں مترجم نے ایطالی نسخہ کو دریافت کرنے والے کا قصہ لکھا ہے، یہ شخص ایک لاطینی راہب فرامرینو تھا، کہا جاتا ہے کہ فرامرینو کو ابریناوس کے رسائل ہاتھ لگے تھے جن میں ایک رسالہ ایسا بھی تھا، جو سینٹ پولس کی قلعی کھولتا تھا، ابریناوس نے یہ کاروائی سینٹ برنباس کی انجیل کی سند سے کی تھی، فرامرینو کو اس وقت سے اس انجیل کے دیکھنے کا سخت شوق دامن گیر ہوا، اتفاق سے وہ کچھ زمانے کے لئے پوپ سکٹس پنجم کا مقرب خاص ہو گیا تھا اور اسی اثناء میں ایک دن وہ پوپ ممدوح کے ساتھ اس کے کتب خانے میں گیا، یہاں آ کر تقدس مآب پوپ پر نیند کا غلبہ ہوا اور وہ سو گئے فرامرینو کے دل میں خیال آیا کہ کتاب دیکھنے میں وقت کاٹے حسن اتفاق سے فرامرینو کا ہاتھ سب سے پہلے جس کتاب پر پڑا وہ برنباس کی انجیل تھی، اس نے فوراً اس کو اپنے پیراہن میں چھپا لیا اور پوپ سے اجازت لے کر گھر آ گیا، اور اس انجیل کے مطالعہ ہی کے سبب وہ مشرف باسلام ہو گیا۔

یہ روایت اور پروفیسر ہیوٹ کے لکچروں کا اقتباس ہی ہسپانوی نسخہ کا وجود بتاتے ہیں، اس کے بعد پھر کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ نسخہ کیا ہوا، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر منک ہاؤس نے اس کا ترجمہ کر کے اسے ڈاکٹر ہیوٹ کی نذر کر دیا تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ اطالوی نسخہ اور ہسپانوی نسخہ کیا ایک ہی ہیں؟ تو قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی ہیں، اٹھارہویں صدی کے شروع میں یورپ میں انجیل برنباس کا شہرہ ہوا اور عرصے تک اختلاف آرا برپا رہا۔

(اطالوی نسخے کے حاشیے پر جو غلط سلط عربی میں بے جوڑ عبارتیں ملتی ہیں) اس کے بارے میں مرگولیتھ کا کہنا ہے کہ:

> "لاموِنی ان حواشی کی عبارت کو صحیح اور درست خیال کرتا ہے، لیکن وِنش جیسے عالم کی نظر اس بات سے نہیں چوکی اور اس نے ان عبارتوں کی ترکیب سقیم اور ان میں غلطیوں کی بھرمار ہونے کا اظہار کر ہی دیا ہے۔"

یہ حاشیے غور و تامل سے دیکھے جائیں تو ان میں سے بعض کی عبارت صحیح اور اسلوب درست نظر آئے گا لیکن نقل کرنے والے قلم نے اسے بگاڑ ڈالا اور خوب مسخ کیا ہوگا اس طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ وائنا کا نسخہ کسی اور نسخے کی نقل ہے ماہرین تحریر نے اس کی لکھاوٹ دیکھ کر کہا ہے کہ یہ کسی اطالوی کے قلم سے لکھا گیا ہے، اور انہوں نے اسے سولہویں یا سترہویں صدی کے ....شروع میں لکھا ہے، اور گمان غالب ہے کہ اس کا اصل نسخہ ٹسکانی زبان کا ہوگا یا اطالوی زبان کا یہ لانسڈیل راگ[1] اور لوراراگ کا خیال ہے، ان کا کہنا ہے کہ یہ نسخہ تقریباً ۱۵۷۵ء میں نقل کیا گیا ہے، اور احتمال ہے کہ ناقل فرامرینو ہو۔ ان کا یہ مزید کہنا ہے کہ "بہرحال اس کی اصل خواہ کچھ بھی ہو، ہم کو یہ یقین کرنا ممکن ہے کہ برنباس کی ایتالی زبان کی کتاب ایک انشائی

---

[1] یہ وینس کے انگریزی کلیسا کا نائب مطران تھا خلیل سعادت نے عربی ترجمہ انہی کے انگریزی ترجمہ سے کیا تھا ان لوگوں نے اپنا انگریزی ترجمہ اصل اطالوی نسخہ کے ساتھ مطبع کلارنڈن (اکسفورڈ) سے شائع کیا تھا، خلیل سعادت کا عربی ترجمہ ۱۹۰۸ء میں قاہرہ سے شائع ہوا۔

کتاب ہے، خواہ اسے کسی کاہن نے لکھا ہو یا دہری و راہب نے یا کسی عام آدمی نے مگر یہ ایسے شخص کے قلم سے نکلی ہے جو لاطینی توراۃ کا ویسا ہی واقف تھا، جیسا کہ ڈانٹے اور یہ کہ وہ ڈانٹے ہی کی طرح زبور کی بھی ایک خاص واقفیت رکھتا ہے، یہ انجیل ایسے شخص کی تصنیف ہے جو بہ نسبت اسلامی دینی کتابوں کے مسیحی کتب دینیہ کا بہت بڑا ماہر اور عالم تھا اس لئے گمان غالب یہ ہے کہ وہ عیسائیت سے مرتد ہو گیا ہوگا"۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس انجیل کا مصنف ڈانٹے کے بعد ہوا ہے اور اس نے جنت وغیرہ کی تشریحیں ڈانٹے سے اخذ کی ہیں، اس اعتبار سے برناباس کا ظہور چودھویں صدی عیسوی میں ہوا ہوگا لیکن حقیقت یہ ہے کہ برناباس نے جہنم کی نسبت جو کچھ کہا ہے وہ ڈانٹے کے بیان سے ملتا ہے تو محض تعداد کے بارے میں نہ کہ کسی اور حیثیت سے، لہذا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ برناباس اور ڈانٹے دونوں کا کوئی اور قدیم ماخذ ہو جو یونان کا علم الاصنام ہو سکتا ہے۔

سرسری نظر میں علمار کو خیال گزرا کہ اطالوی نسخہ کسی اصل عربی نسخہ سے ماخوذ ہے، سب سے پہلے یہ بات کریمر نے کہی اس نے ڈیوک یوجین سانوی کو یہ اطالوی نسخہ نذر کرتے ہوئے اس کی تمہید میں لکھا تھا کہ یہ انجیل کسی محمدی (مسلمان) کی تالیف اور عربی سے اطالوی میں ترجمہ ہے یا کسی اور زبان سے، کریمر کے اس خیال سے لاموِنی بھی متفق ہے، وہ کہتا ہے کہ "بیرن ہوہنڈراف نے مجھے ایک کتاب دکھائی جس کے متعلق مسلمانوں کا خیال ہے کہ وہ برناباس کی انجیل ہے، مگر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسے عربی سے ایطالی میں ترجمہ کیا گیا ہے"۔

یہ عجیب بات ہے کہ مشہور مسلمان تذکرہ نویسوں اور مصنفین کی کتابوں میں اس انجیل کا

کہیں ذکر تک نہیں اور قدیم و جدید زبانوں کے تمام مسلمان مؤرخ اس بارے میں قطعاً لاعلم نظر آتے ہیں حتیٰ کہ خاص وہ لوگ جن کا کام ہی دینی مباحثہ و مجادلہ تھا وہ بھی اس انجیل کا کہیں تذکرہ نہیں کرتے حالانکہ انجیل برنباس ان کے لئے بہت مفید ہو سکتی تھی ——— میری رائے یہ ہے کہ اس کا مصنف اندلس کا کوئی یہودی ہے جس نے پہلے عیسائی ہو کر بعد کو دین اسلام قبول کر لیا ہوگا، انجیل برنباس کے پڑھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا مصنف بھی عہد قدیم کے اسفار (صحائف) کا ایسا بے مثل عالم ہے کہ خاص عیسائی فرقوں میں بھی ایسے بہت کم افراد نکلتے ہیں، اور یہ بات مشہور ہے کہ اندلس کے اکثر یہودی عربی زبان و ادب میں کمال حاصل کرتے تھے، اس لئے وہ قرآن شریف اور حدیث نبوی کے عالم بھی ہو سکتے تھے۔

پھر یہ کہ انجیل برنباس میں بہت سی تالمودی روایات بھی پائی جاتی ہیں، جن کو ایک یہودی کے سوا کسی اور مذہب کا شخص بمشکل جان سکتا ہے، مگر بعض محققین کا خیال ہے کہ جس دور میں یہ انجیل ظاہر ہوئی وہ ایطالی ہے، اور قرون وسطیٰ کا تقریباً ابتدائی دور اور اس انجیل کا مؤلف بھی ایطالی، اور اسی زمانے کا کوئی آدمی ہے۔

تاریخ میں پوپ گلاسیوس اول کے ایک حکم کا تذکرہ ہے جس نے ۴۹۲ء میں پوپ کے تخت پر جلوس کیا تھا، یہ حکم ایک فرمان ہے، اور اس میں ان کتابوں کا نام گنایا گیا ہے، جن کا مطالعہ ممنوع ہے، ان میں انجیل برنباس کا وجود پیغمبر اسلام کے ظہور میں آنے سے مدتوں پہلے معلوم ہوتا ہے ——— بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ پوپ گلاسیوس کا وہ فرمان جس کا ذکر کیا گیا ہے، سرتاپا جعلی ہے، اور انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں بھی یہی کہا گیا ہے، اس کے علاوہ ایک انجیل اغنسطی نامی، اور بھی تھی جس کا اب کہیں نام و نشان نہیں ملتا، اس انجیل کا آغاز ایک مقدمہ سے ہوتا تھا جس میں سینٹ پولس کی خوب درگت بنائی

گئی تھی، اور اسی قسم کا ایک خاتمہ بھی اس انجیل میں تھا، یہ انجیل بتاتی تھی کہ حضرت مسیح کی ولادت بغیر کسی تکلیف کے ہوئی تھی، اور چونکہ یہ باتیں انجیل برنباس میں ہیں، اس لئے احتمال ہوتا ہے کہ انجیل اغنسلی اس انجیل کی اصل ہو اور یہ کہ کسی یہودی نے انجیل فنسلی کا کوئی یونانی یا لاطینی نسخہ چودھویں یا پندرھویں صدی میں پایا اور اسے اس قالب میں ڈھال دیا۔

استاذ رشید رضا مصری کا دیباچہ[1]

دین عیسوی کے تمام مؤرخ اس پر متفق ہیں کہ عیسائیت کی ابتدائی صدیوں میں حضرت مسیحؑ کی بہت سی انجیلیں پائی جاتی تھیں، مگر کلیسائی پیشواؤں نے ان میں سے صرف ۴ کو مستند مانا اور باقی کو ترک کر دیا، انھیں اناجیل میں برنباس کی انجیل بھی ہے، برنباس حضرت مسیحؑ کے خاص مددگاروں اور حواریوں میں ہیں جن کو مقتدایانِ کلیسا "رسول" کے لقب سے یاد کرتے ہیں، پولس رسول ایک زمانے تک انہی کے ساتھ رہے، بلکہ انہی برنباس نے مسیحؑ کے شاگردوں کو پولس کی ہدایت پانے اور یروشلم واپس آنے کے بعد اس سے واقف اور روشناس کرایا۔[2]

انجیل برنباس کے بارے میں (یورپ کے دانشوروں نے) فرض کر لیا ہے کہ یہ انجیل کسی مسلمان کی تالیف کردہ ہے، اور اس کے بعد مصنف کو متعین کرنے کے بارے میں حیرت کا اظہار کرتے ہیں، ڈاکٹر خلیل سعادت اس کا مصنف کسی اندلسی یہودی کو بتاتے ہیں، لیکن ڈاکٹر صاحب کو یہ خیال نہ رہا کہ انجیل برنباس کا مؤلف عہد قدیم و جدید کی کتابوں میں بعض ایسی باتوں کی موجودگی کا بھی حوالہ دے گیا ہے جن کا قرون وسطیٰ کی کتابوں میں

---

[1] اضافہ از مترجم [2] ا۔ع ۹: ۲۷ قاموس کتاب مقدس ۱/۲۲۳ (رشید رضا)

کہیں نام و نشان نہ تھا کیونکہ آخر وہی کتابیں تو ہیں، جو آج ہمارے سامنے موجود ہیں، چنانچہ برناباس کا یہ حوالہ دینا کہ "ہوشع اور حجی" کا قصہ کتاب دانیال میں موجود ہے، اس قسم کا حوالہ ہے کہ ان دونوں کتاب دانیال میں کہیں نہیں ملتا، اسی طرح مصنف بعض اوقات چند دیگر مسائل میں عہد عتیق و جدید کی کتابوں سے مخالفت کرتا گیا ہے اور ڈاکٹر سعادت نے اس پر بھی کوئی توجہ نہیں فرمائی۔

ڈاکٹر سعادت کی ایک دلیل یہ ہے کہ انجیل برناباس کے بعض مباحث کا قرآن و حدیث کے موافق ہونا بتاتا ہے کہ اس کا مصنف ان سے باخبر تھا، لیکن وہ اس کو بھولتے ہیں کہ ہر چیز جو کسی دوسری چیز کے موافق ہو اس سے ماخوذ بھی ہو، ورنہ توراۃ کو حمورابی کی شریعت سے ماخوذ ماننا پڑے گا۔ علاوہ ازیں اس انجیل کے بیشتر مباحث ایسے ہیں، جن کو ایک مسلمان بھی نہیں جانتا تھا، اور اس کی عبارت کا ڈھنگ بھی مسلمانوں کے طرز عبارت سے عموماً اور عربوں کے انداز بیان سے بالکل دور ہے، پھر کون ایسا مسلمان ہے جو خدا کا نام لیتے ہوئے اس کی ثنا نہ کرے گا اور انبیاء کا ذکر کرتے ہوئے ان پر درود نہ بھیجے گا، اور ملائکہ کا نام لے گا تو ان ناموں کے علاوہ جو قرآن شریف اور حدیث نبوی میں ان کے لئے آئے ہیں، انھیں دوسرے ناموں سے یاد کرے گا۔؟

اب رہے وہ عربی حاشیے جو ایطالی نسخے پر پائے جاتے ہیں، ان کی نسبت احتمال ہے کہ خود راہب فرامرینو کے لکھے ہوئے ہوں گے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ قبول اسلام نے اس کو عربی سیکھنے کی رغبت دلائی ہو، اور اس نے اتنی معلومات حاصل کر لی ہوں کہ چند جملوں کا ایسی ٹوٹی پھوٹی عبارت میں ترجمہ کر سکے جس پر عجمیت غالب ہو، ان حواشی کو کسی مسلمان کی تحریر بتانا ایک ایسی غلطی ہے، جو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی، اس کے سوا اندلس کے

مسلمان علماء تک اس انجیل سے آگاہ نہ تھے چنانچہ ڈاکٹر مارگولیتھ نے اس کی پوری تحقیقات کی ہے اور کہا ہے کہ عیسائیت کی تردید کرنے والے مسلمانوں نے اپنی کتابوں میں اس انجیل کا کہیں ذکر تک نہیں کیا ہے، اور نہ اندلس کا نامور مسلمان عالمِ ادیان ابن حزم اور ایشیا (دمشق) کا امام یگانہ ابن تیمیہ (جو مغرب و مشرق میں سب سے بڑھ کر وسیع الاطلاع مسلمان علماء رکھتے تھے جیسا کہ ان کی کتابوں سے عیاں ہوتا ہے) ان دونوں نے کیوں اس انجیل کا ذکر اور عیسائیوں کی تردید کرتے ہوئے کیوں اس سے استناد نہ کیا ہوتا؟

کہا جاتا ہے کہ اس انجیل میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا نام کھلم کھلا لیا گیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس کا ظہور اسلام سے پہلے لکھا جانا عقل قبول نہیں کرتی کیونکہ پیشگوئیاں اشاروں کنایوں میں ہوتی ہیں، لیکن وحی کے ذریعہ یہ بات بیجا بھی نہیں۔

شیخ محمد بیرم مصری عالم نے ایک انگریز سیاح سے روایت کی ہے کہ اس نے وٹیکن کے بڑے کتب خانے میں حمیری خط میں ایک انجیل کا نسخہ دیکھا ہے، جو بعثت نبوی سے پہلے کا لکھا ہوا ہے، اس انجیل میں مسیحؑ فرماتے ہیں کہ "وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وٹیکن میں ان قدیم اناجیل اور کتب کا جو قرون اولیٰ میں ممنوع قرار دی گئی تھیں کچھ ایسا ذخیرہ باقی ہے، جس سے انجیل برنباس کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اطالوی مترجم نے اپنی طرف سے لفظ محمد کی صراحت کر دی ہو جو اشاروں میں بتایا گیا ہو۔

"المقتطف" مصر کے عیسائی اڈیٹر کے خیال میں انجیل برنباس کی کوئی اصل ضرور ہے، مارگولیتھ بھی کسی مسلمان کو اس کا مصنف نہیں مانتا اور نہ اسے عربی الاصل سمجھتا ہے۔

رسولوں کے اعمال و خطوط

اناجیل اربعہ کے بعد انجیل برنابا کے سوا جنھیں کلیسا مسیحیت کا ماخذ سمجھتا ہے، رسولوں کے اعمال اور خطوط کی اہمیت ہے۔ وہ ان مسیحی تعلیمات کا ماخذ ہیں، جو مذہب کی تشکیل اور واجبات کی تعیین کرتی اور رسوم و شعائر اور دینی آداب کو واضح کرتی ہیں، مسیحیت پر بحث کے لئے ہم ان کے ان پہلووں پر روشنی ڈالیں گے:
(۱) معنی (۲) عدد (۳) تدوین کی زبان (۴) ان کے کاتبین (۵) ان کی دینی حیثیت۔

۱۔ رسائل کے معنی

رسولوں کے اعمال" کلیسا کی اصطلاح میں "تعلیمی رسالے" کہے جاتے ہیں، اس لئے کہ وہ حضرت مسیحؑ کی زندگی کی تشریح و توضیح، عملی لحاظ سے کرتے ہیں، جبکہ انجیلیں صرف حضرت مسیحؑ سے متعلق قصوں کی حیثیت رکھتی ہیں، اس طرح ان کا

تعلق ماضی کی ایک داستان سے ہے، البتہ اس میں تقدس کا ایک رنگ بھی ہے لیکن یہ رسائل حرکت و عمل سے تعلق رکھتے ہیں، اور واجب و فرض کی تعلیم دیتے ہیں، گویا وہ مسیحیت کا وہ نظام عمل ہے، جسے ایک مسیحی کو اپنے حال اور مستقبل میں عملاً اپنانا ہوتا ہے، اس اہمیت کے سبب یہ رسائل مسیحیت کا ایک بڑا ماخذ بن جاتے ہیں۔

رسائل کی تعداد

ان رسائل کی تعداد ۲۳ بتائی جاتی ہے، جن کی تفصیل اس طرح بتائی جاتی ہے:

۱۔ رسولوں کے اعمال (جسے لوقا صاحب انجیل ثالث نے لکھا ہے)

۲ تا ۱۴۔ وہ خطوط جنھیں پولس نے مختلف شہر کے لوگوں کے نام لکھا جن کے نام یہ ہیں: روم، کرنتھی، گلتی، افسی، فلپی، کلسّی، تھسلینک، تیمتھی، طِطس، فلیمون، عبرانی، پھر سولھواں خط یعقوب نے، سترھواں، اٹھارھواں پطرس نے۔

۱۹ تا ۲۱۔ یوحنا نے، بائیسواں یہوداہ نے لکھا، نمبر ۲۳ پر یوحنا عارف کا مکاشفہ ہے، جسے "نبی کی کتاب" بھی کہا جاتا ہے، اس کا مقصد و منہاج سابقہ رسالوں سے مختلف ہے، اس لئے کہ اس میں حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت و سلطنت بیان کی ہے، جبکہ دوسرے رسائل وعظ، عبادت کے قصوں اور دینی سبق پر مشتمل ہیں۔

رسالۂ یوحنا میں الوہیت مسیح کے ساتھ دکھایا گیا ہے کہ مسیح کو کلیسا، ارباب کلیسا اور اس کے مستقبل کا علم بھی ہے اس میں کبھی خدا کو ایک بوڑھے کی شکل میں دکھایا گیا ہے، جو مسیح کا ہم شکل ہے، اور اپنے سینے پر ایک سونے کا پٹکا باندھے ہوئے ہے اس کی آنکھیں شعلے کی طرح ہیں، اس کے ہاتھ میں سات ستارے اور ایک دودھاری تلوار ہے، اور

کبھی مسیح کو ایک مذبوح بھیڑ کی شکل میں بتایا گیا ہے جس کی سات سینگیں اور سات آنکھیں ہیں۔ الخ (اصحاح ۱'۵)

تحریر کی زبان اور اس کے لکھنے والے

تاریخ رسائل کے ماہرین کی رائے ہے کہ یہ رسائل جس زبان میں لکھے گئے تھے، وہ یونانی زبان تھی، ان رسائل کو چھ اشخاص نے لکھا تھا، (۱) لوقا (۲) یوحنا، (۳) پطرس (۴) یعقوب (۵) یہوذا (۶) پولس ------ لوقا اور یوحنا کے بارے میں پہلے بتایا جا چکا ہے، پطرس حواریوں میں سے تھا، اس کا اصلی نام سمعان تھا، اس کا پیشہ ماہی گیری تھا، حضرت مسیح کے بعد وہ انطاکیہ اور رومیہ میں مسیحی مبشر اور مبلغ کے طور پر گیا تھا۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ نیرو کے مظالم کا شکار ہوا۔ پھانسی کی سزا سنائی گئی تو اس نے درخواست کی کہ اسے الٹا لٹکا کر پھانسی دی جائے۔ تاکہ مسیحؑ کی صلیب کے مشابہ نہ ہو۔

صاحب "مروج الاخبار فی تراجم الابرار" کا یہ کہنا قابل غور بات ہے کہ یہ اور اس کا شاگرد، مرقس الوہیت مسیحؑ کے منکر تھے۔

یعقوب۔ یوحنا بن فریدی کا بھائی تھا، جو حواری تھے، اور شکار پیشہ مسیحی اہل علم کا کہنا ہے کہ یعقوب بھی اپنے بھائی کی طرح حواری تھے، اور وہ یروشلم کے پہلے پوپ (اسقف) مقرر ہوئے تھے۔

تاریخ الامۃ القبطیۃ۔ کا ان کے مرتبہ کے بارے میں بیان ہے کہ: وہ اپنی طہارت و نظافت کے لئے اتنے مشہور تھے کہ ان کا نام ہی "نیک یعقوب" پڑگیا۔

ان کا انجام یہ ہوا کہ یہودیوں نے سنگسار کر کے ہلاک کر دیا، انھیں یہ سزا ۶۱ء یا ۶۲ء میں دی گئی۔

یہوذا ـ کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا وہ یہوذا اُسخریوطی تھا جس نے مسیح کو گرفتار کرایا تھا یا کوئی اور ہے؟

انجیل متی میں یہوذا کا ذکر تداوس کے نام سے ہوا ہے، برنابا کا کہنا ہے کہ وہ اسخریوطی نہیں بلکہ دوسرا شخص ہے، کچھ لوگ اسے یعقوب کا چھوٹا بھائی مانتے ہیں اس طرح زبدی صیاد کے تین بیٹے ہوتے ہیں، (۱) یوحنا حواری (۲) یعقوب حواری (۳) اور یہوذا۔ اگرچہ متی نے یوحنا اور یعقوب ہی کا نام لیا اور کہا ہے کہ زبدی کے یہی دو بیٹے تھے، اس نے یہوذا اور اس کے بلاد عجم میں مرنے کا ذکر نہیں کیا ہے اس لئے یہوذا کی شخصیت تحقیق کی محتاج رہ جاتی ہے کہ وہ کون تھا؟

پولس ـ کی شخصیت مسیحی تاریخ میں بہت اہم سمجھی جاتی ہے اس لئے کہ شروع میں تو اس کی زندگی مسیحیت کے شایاں نہیں معلوم ہوتی لیکن بعد میں وہ مسیحی علوم کا شارح، اور عبادات و رسوم اور کلیسائی نظام کا معلم بن کر سامنے آیا خصوصاً دینی رسوم و تقریبات کے سلسلے میں صرف اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے، خود اس کا کہنا ہے کہ:

> "میں ایک یہودی تھا، طرسوس کیلیکیہ میں میری ولادت ہوئی لیکن میری پرورش اس شہر (یروشلم) میں ہوئی"۔ (اعمال: ۲۲)

لیکن ۲۳ میں اصحاح میں ہے کہ:

> "جب پولس نے یہ معلوم کیا کہ بعض صدوقی ہیں، اور بعض فریسی تو

عدالت میں پکار کر کہا کہ اے بھائیو! میں فریسی اور فریسیوں کی اولاد ہوں، مُردوں کی اُمید اور قیامت کے بارے میں مجھ پر مقدمہ ہو رہا ہے۔"

(اعمال ۲۳: ۷)

اصحاح ۲۲: ۲۶ میں ہے:

"تو پلٹن کے سردار نے حکم دے کر کہا کہ اسے قلعہ میں لے جاؤ اور کوڑے مار کر اس کا اظہار لو۔ تاکہ۔ مجھے معلوم ہو کہ وہ کس سبب سے اس کی مخالفت میں یوں چلاتے ہیں، جب انھوں نے اسے تسموں سے باندھ لیا، تو پولس نے اس صوبہ دار سے جو پاس کھڑا تھا کہا کہ کیا تمہیں روا ہے کہ ایک رومی آدمی کے کوڑے مارو اور وہ بھی قصور ثابت کئے بغیر۔"

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پولس کو رومی، فریسی، یہودی یا کیا سمجھا جائے؟ اس کی قومیت کا تعین ایک اہم معاملہ ہے اور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس بارے میں خود پولس کے اقوال میں تضاد کیوں ہے؟

پولس اور مسیحیت

۱۔ پولس شروع میں مسیحیت کا سخت مخالف اور مسیحیوں کی ایذا رسانی میں سب سے آگے تھا، یہ تفصیلات "رسولوں کے اعمال" میں موجود ہیں جیسے یہ ہے کہ:

"اور ساؤل (پولس) جو ابھی تک خداوند کے شاگردوں کو دھمکانے اور قتل کرنے کی دھن میں تھا، سردار کاہن کے پاس گیا۔" (۹: ۱)

دوسری جگہ ہے:

"اس نے یروشلم میں پہنچ کر شاگردوں میں مل جانے کی کوشش کی اور سب اس سے ڈرتے تھے کیونکہ ان کو یقین نہیں آتا تھا کہ یہ شاگرد ہے" (۹: ۲۷)

۲۔ انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ پولس (شاؤل) کو پھر مقدس مان لیا گیا:

"جب وہ سفر کرتے کرتے دمشق کے نزدیک پہنچا تو ایسا ہوا کہ یکایک آسمان سے ایک نور اس کے گرداگرد آ چمکا، اور وہ زمین پر گر پڑا اور یہ آواز سنی کہ اے شاؤل اے شاؤل! تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟ اس نے پوچھا اے خداوند! تو کون ہے؟ اس نے کہا میں یسوع ہوں جسے تو ستاتا ہے، مگر اٹھ شہر میں جا اور جو تجھے کرنا چاہئے وہ تجھ سے کہا جائے گا" (اعمال ۹: ۴-۶)

یہاں قاری کو ایک خلا محسوس ہوگا کہ پولس مسیحیت کے دشمن سے مسیحیت کا نبی کیسے بن گیا؟ اور جس چیز کا وہ مخالف تھا، اب اسی کا مصدر و ماخذ کیسے ہو گیا؟ کیا خدا شر پسندوں میں سے کسی کو نبی بناتا اور اپنے دین کے دشمنوں کو یہ اعزاز بخشتا ہے؟ اس کے علاوہ عقلاً بھی یہ بات نہیں سمجھ میں آتی کہ کوئی شخص عداوت سے محبت کی طرف یکبارگی ایسی جست لگا سکتا ہے، اور مخالفت چھوڑ کر اس دین پر ایمان لا سکتا ہے، چہ جائیکہ اس عقیدہ کا رکن رکین اور مضبوط ستون بن جائے۔

اس واقعہ کے نفسیاتی مطالعہ اور تاریخی جائزہ — دونوں کی ضرورت ہے تاکہ پولس کی تعلیمات کا پس منظر سمجھا جا سکے اور ان کی صحت معلوم ہو سکے، اس لئے کہ یہ تعلیمات ہی آج مسیحیت کا اول و آخر مرجع سمجھی جا رہی ہیں۔

پولس کا انجام بھی عبرتناک ہوا، اور ۶۶ء یا ۶۷ء میں نیرو کے حکم سے قتل ہوا۔

رسائل پر چند ملاحظات

ان رسائل میں ان نکات کی تحقیق ضروری ہے:

۱۔ ان کے لکھنے والوں نے یہ کلام مقدس کہاں سے حاصل کیا اور اس کے الہامی ہونے کا کیا ثبوت ہے؟

۲۔ یہ رسالے وحی ہیں یا وحی کی تشریح و توضیح؟

۳۔ کیا یہاں حضرت مسیحؑ پر وحی کا امکان بھی ہے، حالانکہ وہ عیسائی عقیدے میں ابن اللہ ہیں، کیونکہ وحی تو خدا اور پیمبر کے درمیان ہوتی ہے خدائی گھرانے کے لئے وحی کا واسطہ سمجھ میں نہیں آتا۔

۴۔ رسالہ "اعمال" نے ان ۱۲۰ افراد کے نام نہیں بتائے جو روح القدس سے بھرے گئے تھے۔

۵۔ گیارہ حواریوں میں سے صرف چند ہی کے رسالے موجود ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ بقیہ نے رسالے نہیں لکھے جبکہ دوسرے غیر حواریوں نے رسالے لکھے ہیں، اب ایسے لکھنے والوں کے لئے الہام مانا جائے یا نہیں؟ الہام ماننے کی صورت میں الہام کی پھر کوئی تخصیص نہیں رہ جاتی۔ اور پھر غیر حواریوں کے لئے کیسے الہام مانا جا سکتا ہے؟

اب یہاں دو صورتیں ہیں اگر رسائل کو الہامی نہ مانا جائے تو ان کی دینی اہمیت باقی نہیں رہتی، اور اگر الہام کو ضروری قرار دیا جائے تو غیر حواری جسے الہام نہیں ہوتا تو وہ کیسے ایک الہامی کتاب لکھ سکتا ہے؟

۶۔ اس سلسلے میں میں الہام کے متعلق چند مسیحیوں کے خیالات یہاں لکھتا ہوں؟

مسٹر لیس کا کہنا ہے کہ: لوگوں نے کتب مقدسہ کو الہامی کہا ہے لیکن یہ بھی مانا ہے کہ ان کتابوں کے مؤلفین کے قول وفعل میں تضاد پائے جاتے ہیں، مثلاً آپ جب متی کی آیات ۱۹، ۲۰ اصحاح ۱۰ کا مقابلہ مرقس کی آیات ۱۱ اصحاح ۱۳ سے کریں پھر ان کا مقابلہ "اعمال" کی ان ۶ آیات سے کریں جو ۲۳ ویں اصحاح میں ہیں تو واضح اختلاف نظر آتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض حواری صاحب وحی نہیں تھے جیسا کہ یروشلم کی کونسل کے مباحث سے معلوم ہوتا ہے، انجیل متی کے بارے میں تو قدیم مسیحیوں کا خیال تھا کہ وہ الہامی نہیں۔

استاذ لِن انجیل یوحنا کو غیر الہامی مانتے ہیں، اور رسولوں کے خطوط کی بھی یہی حالت ہے، اکثر مسیحی ۳۶۴ء تک رسالہ یعقوب، اور یوحنا کے پہلے دوسرے رسالے اور مکاشفہ کو غیر الہامی مانتے تھے، انجیل کا تضاد ان کے غیر الہامی ہونے کا ایک بڑا ثبوت ہے، چند اختلافات ملاحظہ ہوں:

حضرت عیسیٰؑ کی نسبت اختلاف یہ ہے کہ متی میں انھیں حضرت داؤدؑ کے سلسلہ میں بتایا ہے، اور لوقا میں ہے کہ وہ سلاطین کی نسل سے نہیں بلکہ داؤدؑ اور ناتانؑ ہی اس سلسلے میں ہیں، مجنون لڑکی شفا چاہنے والی عورت کو متی اصحاح ۲ میں کنعانیہ اور مرقس کے اصحاح ۸ میں اسے فینیقیہ اور شامیہ بتایا گیا ہے۔

۷۔ ۳۲۵ء میں نیقیہ میں منعقد شدہ مسیحی کونسل نے ان رسائل کو تسلیم نہیں کیا تھا:

پولس کا خط عبرانیوں کے نام، پطرس کا دوسرا خط، یوحنا کا دوسرا اور تیسرا خط، یعقوب، اور یہوذا کے خطوط اور یوحنا کا مکاشفہ۔

یہ تمام رسائل مسیحیت کی بنیاد سمجھے جاتے ہیں مگر اسے لودیسیا کی کونسل نے ۳۶۴ء میں تسلیم کیا

۸۔ ان رسائل کے مسلسل سند اور روایت بھی موجود نہیں بلکہ یہ ارنیوس کے ذریعہ ۲۰۰ء اور کلیمنس کے ذریعہ ۲۱۶ء میں متعارف ہوئے۔

۹۔ رومی حکومت نے ۳۰۳ء میں تمام کلیساؤں اور کتابوں کی بربادی اور مسیحیوں کے عبادتی اجتماعات کو ممنوع کر دیا تھا، اور پولس بھی حکمرانوں کا آلہ کار تھا، جیسا کہ اعمال کا نواں اصحاح یہ تفصیلات پیش کرتا ہے۔

اس بحث و تحقیق کا داعیہ مسیحیت کے خلاف کوئی تعصب نہیں بلکہ یہ جذبہ ہے کہ تلاش حق بنی آدم کی مشترکہ تلاش ہے اور پوری انسانیت کے مفاد میں ہے اور اسے نظر انداز کرنا انسانیت پر ظلم ہے۔ بحث و تحقیق سے ادعا اور انانیت ختم ہوتی ہے، اور صحیح علم ہی کے ذریعہ انسان حیوانی سطح سے بلند ہوتا ہے اس لئے عدل، حق، اور انسانیت کے لئے ہم سب کی تلاش جاری رہنی چاہیے۔

کلیسا کی کونسلیں اور اجتماعات

اس تحقیق کی اہمیت

اس تحقیق کا سلسلہ عقیدۂ تثلیث سے وابستہ ہے، اس لئے کہ یہ عقیدہ حضرت مسیحؑ کی تعلیمات کا جز نہیں تھا، بلکہ انجیلی تعلیمات میں بھی نہیں تھا، یہ مسیحیت کی کونسلوں کی پیداوار تھا، جو اسی مقصد کے لئے منعقد کی جاتی تھیں، انہی مجامع کے ذریعہ رفتہ رفتہ اقانیم ثلاثہ کا نظریہ ایجاد ہوا۔

بدعات کو رواج دینے کے سلسلے میں ان کونسلوں کی قراردادوں کا مطالعہ ضروری ہے، دینی رسوم و شعائر پر مشتمل رسائل میں بھی چوتھی صدی عیسوی میں اس عقیدہ کو تسلیم کیا گیا اس سے پہلے یہ مجہول اور غیر مسلمہ تھا۔

اس لئے تثلیث کے زمانہ کے تعین کے لئے ان کونسلوں کا مطالعہ ضروری ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ اسے دینی حیثیت کب حاصل ہوئی، اور اس کے ماننے والے کون لوگ تھے، اور ان کے دلائل اور دینی و تاریخی ماخذ کیا تھے۔

کونسل کا مفہوم

حضرت مسیحؑ کے ۲۲ سال بعد ان کے تلامذہ یروشلم میں جمع ہوئے، اور انھوں نے عہد کیا کہ (۱) ختنے کی رسم ختم کردی جائے۔ (۲) توریت اور اس کی شریعت کو نہ تسلیم کیا جائے، اس سلسلے میں سفر اعمال اصحاح ۱۵ میں ہے کہ انھوں نے مسیحیوں کے لئے عقائد واعمال سے متعلق چیزوں کی تحقیق کے لئے کونسلوں اور جلسوں کے انعقاد کی رسم ڈالی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کونسل کا مفہوم عقائد واعمال سے متعلق مسیحی علماء کا مشاورتی اجتماع یا دوسرے لفظوں میں مجلسِ تشریعی ہے۔

اس تعریف کے پیش نظر یہ دیکھنا چاہیئے کہ کیا کوئی دینی نص اور اجازت موجود ہے جس کے ذریعہ مسیحی علماء کے لئے عقیدہ اور شریعت میں ایجاد و اضافہ کا اختیار ہو؟ اور اگر ایسا ہے تو اس کی اجازت کس مسئلہ میں ہے اور وہ کونسی اجازت ہے؟

کونسلیں اور ان کی نوعیت و تعداد

یہ کونسلیں دو طرح کی ہوتی تھیں: ایک عام کونسل ہوتی تھی جس میں تمام کلیساؤں اور مذہبی جماعتوں کی نمائندگی ہوتی تھی، دوسری خاص کونسلیں جو کسی ایک فرقہ سے متعلق ہوتی تھیں یا مخصوص مقامی نوعیت کی ہوتی تھیں، جیسے جاکرتا (انڈونیشیا) میں عام مجلس شوریٰ کے انعقاد (نومبر ۱۹۶۷ء) سے پہلے ایک علاقائی جلسہ ہوا جس میں مسلمانوں کے مقابلے میں عیسائیوں کے ایک متحدہ پروگرام اور حکومت انڈونیشیا کی پابندیوں پر

غور کیا گیا، اس لئے وہ عام کونسلیں ہی بحث و تحقیق کا موضوع بن سکتی ہیں جن میں وہ عام دینی قرار دادیں پاس ہوتی ہیں، جو تمام کلیساؤں اور فرقوں اور پادریوں کے لئے ہوتی ہیں اس کتاب میں بھی انہی عام کونسلوں سے بحث ہوگی جن کا تشریعی دائرہ وسیع تھا تاکہ ان کی دینی و تاریخی ذمہ داریوں کا جائزہ لیا جاسکے۔

مؤرخین کہتے ہیں کہ کونسلوں سے متعلق اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی صدی مسیحی سے ۱۸۶۹ء تک منعقد ہونے والی کونسلوں کی تعداد ۲۰ کے قریب ہے، نوفل بن نعمت اللہ بن جرجس نے اپنی کتاب (سوسنۃ سلیمان) میں بعض کونسلوں کی نوعیت اور ان کی قرار دادوں سے اختلاف کرتے ہوئے یہی تعداد بتائی ہے۔

ان اہم کونسلوں کی تعداد چار ہے جن کا تثلیث سے تعلق تھا:

۱۔ اجتماع نیقیہ (اول) منعقدہ سنہ ۳۲۵ء
۲۔ اجتماع قسطنطنیہ (اول) منعقدہ سنہ ۳۸۱ء
۳۔ اجتماع افسس منعقدہ سنہ ۴۳۱ء
۴۔ اجتماع خلقیدونیہ منعقدہ سنہ ۴۵۱ء

اب ان چار نکات کو مقدمۂ بحث کے طور پر پیش کیا جائے گا جن کا تعلق کونسلوں سے ہے۔

۱۔ اجتماع کے انعقاد کا سبب۔
۲۔ حاضرین کی تعداد۔
۳۔ اہم قرار دادیں۔
۴۔ وہ ملاحظات و کیفیات جن کی تحقیق میں اہمیت ہے۔

نیقیہ کی کونسل منعقدہ ۳۲۵ء

یہ پہلی کونسل تھی جس کا مسیحی زندگی پر دور رس اثر مرتب ہوا تمام کونسلوں میں اس کی اہمیت سب سے زیادہ اس وجہ سے ہے کہ اسی سے عقیدۂ تثلیث کا آغاز ہوتا ہے۔

سببِ انعقاد

مسیحی فرقوں میں حضرت مسیحؑ کی شخصیت کے بارے میں اختلاف ہونے لگا تھا کہ کیا وہ صرف خدا کے رسول ہیں یا رسالت سے آگے بڑھ کر وہ ابن اللہ بھی ہیں پھر وہ ابن حقیقی ہیں یا اصطلاحی، مصر کا کلیسائے اسکندریہ الوہیت مسیحؑ کا قائل تھا لیکن اریوس مصری نے کلیسا کی مخالفت اور اپنے عقیدہ کی اشاعت کی کہ مسیح خدا کے بیٹے نہیں۔

ابن البطریق نے اریوس کے متعلق لکھا ہے کہ "اس کا کہنا تھا کہ باپ ہی صرف خدا ہے۔ اور بیٹا اس کی مخلوق اور باپ اس وقت بھی موجود تھا جب کہ بیٹا موجود نہیں تھا"

دوسری طرف (تاریخ امت قبطیہ) کی مصنفہ کہتی ہے کہ یہ صرف اریوس کا گناہ نہیں بلکہ اس میں اس سے پہلے دوسرے فرقے بھی شریک رہ چکے ہیں، جن سے اس نے یہ عقیدہ لے لیا تھا لیکن ان فرقوں کا اثر اتنا زیادہ نہیں تھا، جتنا کہ اریوس کا تھا جس نے لوگوں میں یہ سر خدائی عام کر دیا تھا جن کے ذریعہ یہ تعلیم پھیل گئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسیحی فرقوں میں حضرت مسیحؑ کی شخصیت سے متعلق خاصا ہنگامہ اور اختلاف رائے تھا، اور رومی حکومت نے بھی مسیحی سرگرمیوں کے خلاف اپنی سخت گیریاں کم کر دی تھیں، بلکہ وہ مسیحیوں کو نوازنے کی کوشش کر رہی تھی، چنانچہ قسطنطین نے مسیحیوں کی طرف

توجہ کرکے اس نزاع کو ختم کردینا چاہا اسی لئے اس نے ۳۲۵ء میں نیقیہ میں ایک کونسل کے انعقاد کی دعوت دی، اور اس نے بذات خود مختلف فرقوں اور فریقوں کے پاس دعوت نامے بھیجے جس میں ایک طرف اریوس تھا، اور دوسری طرف اسکندریہ کا بطریق، قسطنطین نے ان دونوں کو جمع تو کردیا لیکن یہ اجتماع ناکامی پر ختم ہوگیا اور مسئلہ اور پیچیدہ ہوگیا، اور پھر نیقیہ کی کونسل منعقد ہوئی، جس کا مقصد اریوس کے موحدین اور ان کے مخالفین کے درمیان نزاع کا خاتمہ تھا۔

ابن البطریق اس سلسلے میں کہتا ہے:

> قسطنطین نے تمام شہروں میں منادی کرادی اور تمام پوپ پادریوں کو بلوالیا، اس طرح نیقیہ میں ۲۰۴۸ پادری جمع ہوگئے جو مذہب و مشرب میں اختلاف رکھتے تھے۔ ان میں سے بعض مسیحؑ اور ان کی والدہ ماجدہ کی خدائی کے قائل تھے، انھیں "بربرانیہ" اور "ریتیمین" بھی کہا جاتا تھا۔
>
> بعض اس کے قائل تھے کہ مسیح کی مثال باپ کے مقابل اس شعلے جیسی ہے، جو شعلے سے ٹوٹتا ہے لیکن دوسرے کی وجہ سے پہلے شعلے میں کوئی کمی نہیں ہوتی سابلیوس اور اس کی جماعت اسی کی قائل تھی۔
>
> بعض یہ سمجھتے تھے کہ حضرت مریمؑ نو ماہ تک حاملہ نہیں تھیں بلکہ مسیحؑ ان کے پیٹ سے اس طرح گذرے جیسے پرنالے سے پانی گزر جاتا ہے، اس لئے کہ اللہ کا کلمہ ان کے کان میں داخل ہوکر مسیحؑ کی ولادت کی شکل میں ظاہر ہوا، اس کے قائل الیان اور اس کی جماعت ہیں۔
>
> کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ مسیحؑ، لاہوت سے پیدا شدہ انسان تھے جیسا کہ ہم میں سے ہر ایک کا جوہر لاہوتی ہے، مسیحؑ کی ابتدا اور نشو و نما حضرت مریمؑ

ہی سے ہوئی اور انھیں ایک عالی جوہر سے ہم کنار کیا گیا، نعمت خداوندی ان کے ساتھ رہی اور محبت و مشیت ان کی سرشت میں داخل ہوگئی، اسی لئے انھیں ابن اللہ کہا گیا، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خدا جوہر قدیم اور ایک ہے اور ایک اقنوم ہے، اور اس کے تین نام رکھتے ہیں، وہ کلمہ اور روح القدس پر اعتقاد نہیں رکھتے، یہ پولس شمشاطی (بطریق انطاکیہ) اور اس کی بوتقانی جماعت کا قول ہے۔

ایک فرقے کا یہ کہنا تھا کہ وہ تین ازلی خدا ہیں، صالح، طالح، اور ان کے درمیان عدل — یہ مرقیون لعین اور اس کے ساتھیوں کا قول ہے، ان کا خیال ہے کہ مرقیون، حواریوں کا سردار ہے، وہ پطرس کے قائل نہیں۔

ایک جماعت مسیحؑ کو خدا کہتی ہے، یہ پولس رسول کا کہنا ہے، اور ۳۱۸ اسقفوں کا بھی یہی خیال ہے۔"

اس تصریح سے معلوم ہوا کہ یہی غیر محدود اختلاف، اور الگ الگ رائیں اس مجلس کے انعقاد کا سبب تھیں۔

حاضرین کی تعداد

ابن بطریق کی روایت کے مطابق مجمع نیقیہ کے حاضرین میں بادشاہ نے ۳۱۸، اسافقہ کو بلایا اور ان کے درمیان بیٹھ کر اپنی انگوٹھی، تلوار اور چھڑی ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ "آج آپ لوگوں کو میں اپنی سلطنت کا حکمراں بناتا ہوں تاکہ آپ حضرات دین کے لئے مناسب کارروائیاں کریں، جن میں اہل دین کی فلاح مضمر ہو" اس روایت سے

پتہ چلتا ہے کہ نیقیہ میں قسطنطین کے ۳۱۸ ـــ ہم خیال اسقف موجود تھے۔

قراردادیں

قسطنطین کی مجلس خاص سے پہلے عام حاضرین کی تعداد (۲۰۴۸) تھی جن کے درمیان سخت اختلاف رائے تھا، اور جس سے قسطنطین بہت متفکر ہوا، اس نے مناظرہ کا حکم دیدیا تاکہ کوئی صحیح رائے قائم کرنے میں آسانی ہو۔

بالآخر قسطنطین کے خیال میں پولس کی الوہیت مسیح کا عقیدہ صحیح نظر آیا اس موقع پر لوگوں کی دو رائیں ہوگئیں ایک بادشاہ کا ہمنوا فریق تھا، دوسرا فریق باہم بھی مختلف تھا کہ اس میں ۲۰۳۰ اسقف تھے۔ اس اقلیتی رائے کے مطابق یہ قراردادیں پاس ہوئیں کہ

۱۔ رسولوں کا کلیسا اس قول کو حرام قرار دیتا ہے کہ زمانہ ابن اللہ سے خالی ہوگیا۔

۲۔ اس عقیدے کے مخالفین کی سرزنش۔

ملاحظات

۱۔ کونسل نے اقلیت کے مطابق قراردادیں تجویز کیں۔

۲۔ پولس کے مذہب کو ترجیح دینے میں قسطنطین کا بڑا ہاتھ تھا، جو مجمع کا فیصلہ قرار پاگیا۔

۳۔ ایک دینی مسئلہ میں قسطنطین کی رائے کیونکر مانی جا سکتی ہے، جبکہ وہ کوئی مذہبی رہنما تو کجا معمولی عیسائی بھی نہ تھا، مجمع کے انعقاد تک وہ مسیحیوں کا صرف ایک غیر مسیحی ہمدرد تھا۔

۴۔ بغیر انجیل سے رجوع کئے ہوئے اس کونسل کو حلال و حرام قرار دینے کا اختیار کہاں تھا!

۵۔ اس اسقف کے موقف کی کیا توجیہ ہوگی جو پہلے الوہیت مسیح کے بارے میں بادشاہ کا ہم خیال تھا، لیکن بعد میں اپنے اس موقف سے پھر گیا، اور اریوس کی تائید کرنے لگا؟

یہ اسقف "اوسابیوس" تھا، جو قسطنطین سے بہت قریب تھا، اور جسے اس نے قسطنطنیہ کا اسقف بنا دیا تھا، اس نے اپنا یہ خیال (صورت) کی کونسل میں ظاہر کیا جہاں مناقشات نے محاربہ اور ہاتھا پائی کی شکل اختیار کرلی تھی چنانچہ اسکندریہ کے بطریق کے سر پہ مارا گیا، اس لئے کہ وہ اوسابیوس کا مخالف تھا ——— اب اس کی کیا توجیہ ہوسکتی ہے حالانکہ یہ آدمی پہلے الوہیت مسیح کا قائل تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیقیہ کی کونسل نے کچھ حاضرین کی مرضی کے خلاف بھی تجاویز پاس کی تھیں، اور اب اس صورت میں اس کونسل پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے جس کے حاضرین کے ایک حصہ سے بعض تجاویز زبردستی منوائی گئی تھیں، ارسابیوس کے قصے سے یہ صورت حال ظاہر ہوتی ہے۔

۲۔ قسطنطنیہ کی پہلی کونسل ۳۸۱ء

سبب انعقاد

۳۲۵ء کی نیقیہ کی کونسل نے مسیح کی الوہیت اور ابنیت کا اعلان تو کیا لیکن اس نے روح القدس اور الوہیت کا باہمی رشتے پر بحث نہیں کی، مسیحی معاشرہ چونکہ شروع سے

متضاد افکار کا حامل تھا، چنانچہ اس بارے میں قسیس مکدونیوس کا یہ عقیدہ مسیحیوں میں رائج ہو گیا کہ:

روح القدس خدا نہیں بلکہ مخلوق ہے، چنانچہ اس مجمع میں دو قسم کے لوگ سامنے آئے —— ایک اریوس اور وساپیوس کے ماننے والے موحدین جنھوں نے اس عقیدہ کو خوب رواج دیا۔

دوسرے خدا ماننے والے بت پرست جنھوں نے اس کی مخالفت کی اس فریق کا سرغنہ بطریق اسکندریہ تھا، اس جماعت نے اپنے اثر و رسوخ کا استعمال کرکے بادشاہ کو ایک کونسل منعقد کرنے پر راضی کرلیا، جس کا مقصد روح القدس کی الوہیت کا ثابت کرنا تھا۔

حاضرین کی تعداد

چنانچہ اس غرض کی خاطر قسطنطنیہ میں کل ۱۵۰ اسقف جمع ہوئے، اس لئے یہ کونسل عالمی کونسل کہی جانے کی مستحق نہیں معلوم ہوتی، اسی لئے ایک مسیحی اہل قلم (نوفل بن نعمۃ اللہ بن جرجس) رہبان بندکینون سے راوی ہیں کہ ایسی کونسل عالمی کونسل کہی جانے کی مستحق نہیں، الّا یہ کہ اسے تمام کلیسے تسلیم کرلیں۔

قراردادیں

۱۔ روح القدس ہی خدا کی روح اور اس کی زندگی ہے، اور اس کا تعلق لاہوت سے ہے۔

۲۔ کدونیوس اور اس کے ماننے والے بطریق وغیرہ لعنت کے مستحق ہیں، جو اس عقیدہ کے مخالف ہیں۔

ملاحظات

اس کونسل کے انعقاد یعنی چوتھی صدی مسیحی کے اواخر سے عقیدۂ تثلیث بڑے جھگڑے کے بعد مسیحیت کا ایک لازمی حصہ بن گئی، اس عقیدے کو بعد کی کونسلوں نے اگرچہ برابر تسلیم کیا، لیکن وہ کسی بڑی اکثریت سے تجویز نہیں ہوا تھا، دوسرے یہ کہ اس کونسل میں گویا نیقیہ کی کونسل کی مخالفت کی گئی جیسا کہ مؤرخ مسیحیت ابن البطریق کہتا ہے:

> "۳۱۸ اسقفوں کی امانت میں اس کونسل میں خیانت کی گئی، یعنی روح القدس پر ایمان جو زندہ کرنے والا رب اور باپ سے نکلا ہے اور یہ تینوں سجدے اور تعظیم کے مستحق ہیں، انھوں نے یہ بھی ثابت کیا کہ باپ بیٹا روح القدس تین شخص، تین شکلیں، تین خواص اور ایک تین، تین ایک کی حیثیت رکھتے ہیں، ایک ہی وجود تین شکلوں میں نمایاں ہے، اور بالآخر ایک معبود ایک وجود اور ایک طبیعت ہے۔"

۲۔ افسس کی پہلی کونسل ۴۳۱ء

سبب انعقاد

۳۸۱ء میں قسطنطنیہ کی پہلی کونسل نے تثلیث کے عقیدے کو اس طرح رائج کیا خدا باپ، خدا روح القدس، خدا بیٹا ـــــ لیکن اس غامض عقیدہ کی کبھی صحیح تعبیر نہیں ہو سکی، اور نہ یہ واضح ہو سکا کہ اقانیم ثلاثہ میں وحدت کیونکر پیدا ہوتی ہے، اور ان کے ربط باہمی کی نوعیت کیا ہے؟

چنانچہ فطری طور پر مسیحی معاشرے میں یہ سوالات اٹھے اور ان نظریات کی شرح میں شور و غل اور غوغا آرائی ہوئی اسی شور و شغب میں نسطور کا یہ مذہب سامنے آیا کہ:

> ۱۔ "قسطنطنیہ کا بطریق (نسطور) کہتا ہے کہ یہاں ایک اقنوم اور ایک فطرت ہے الوہیت کا اقنوم باپ سے نکلا ہے، اور الوہیت کی نسبت باپ کی طرف ہے اور انسان کی طبیعت مریم سے پیدا ہوئی ہے، اس طرح مریم، انسان کی ماں ہے، خدا کی ماں نہیں، اور وہ مسیح جو لوگوں کے درمیان ظاہر ہوا محبت کے ذریعہ بیٹے سے تعلق ہے، اور خدا اور اس کے بیٹے کا درمیانی رشتہ محبت ہے اور ظاہری مسیح خدا نہیں، لیکن وہ خدا کی دی ہوئی نشانیوں اور بزرگی کے سبب مبارک ہیں۔"

اس موضوع کے متعلق "تاریخ امت قبطیہ" کا مصنف لکھتا ہے:

"نسطور کی یہ بات آبار و احبار کے اختلاف کا نتیجہ نہ تھی، بلکہ اس کی

دہری حیثیت تھی، اور وہ ایمان کے ایک بڑے موضوع سے متعلق تھی، نسطور کا یہ خیال تھا کہ یسوع مسیح خود خدا نہیں تھے، بلکہ وہ ایک برکت سے بھرے ہوئے انسان یا اللہ کی طرف سے الہام شدہ تھے، اس لئے یہ کہ کر کوئی گناہ نہیں کیا اور نہ کوئی تعجب کا کام کیا۔

ابن بطریق نسطور کی رائے لکھتے ہوئے کہتا ہے:

"یہ انسان جو کہتا ہے کہ مسیح، ابن کے ساتھ محبت کی وجہ سے متحد ہیں اور کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ اور ابن اللہ ہے، تو یہ حقیقت نہیں بلکہ عطیۂ خداوندی ہے اس طرح معلوم ہوا کہ نسطور، مسیح کی الوہیت کا قائل نہیں، اور نہ انھیں ابن اللہ مانتا ہے۔"

۲۔ اسقف رومیہ اور بطریق اسکندریہ کا مذہب: حسب معمول بت پرست اساقفہ کی جماعتوں نے نسطور کی تفسیر اقانیم اور بشریت مسیح کی مخالفت کی، اسقف رومیہ اور بطریق اسکندریہ ان لوگوں کے پیشوا تھے، چنانچہ ان لوگوں نے ایک اور کونسل کیلئے کوشش کی جس میں نسطور کی بدعت پر بحث ہو، چنانچہ اس کے لئے شہر افسس تجویز ہوا۔

حاضرین کی تعداد

اس سلسلے میں اسقف رومیہ، بطریق اسکندریہ، اساقفۂ انطاکیہ، اور اساقفۂ بیت المقدس کے درمیان مراسلت ہوئی، لیکن نسطور کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس پر طعن کیا جائے گا، اس لئے وہ حاضر ہی نہیں ہوا۔ اساقفۂ اسکندریہ نے بھی اس کا ساتھ دیا، اس طرح اجتماع کے لئے بطریق اسکندریہ، اساقفۂ رومیہ اور بیت المقدس ہی رہ گئے۔

چنانچہ ۴۳۱ء میں افسس میں کل ۲۰۰ اساقفہ پر مشتمل یہ کونسل ہوئی۔

قراردادیں

۱۔ کنواری مریم خداوند کی ماں ہیں (جیسا کہ ان کی قرارداد سے پتہ چلتا ہے)، کنواری مریم نے ہمارے معبود یسوع مسیح کو پیدا کیا، جو اپنی فطرت کے لحاظ سے باپ کے ساتھ ہے، اور ناسوت اور فطرت کے تعلق سے لوگوں کے ساتھ ہے۔

۲۔ مسیح کی دو طبیعتیں مانی گئیں: ایک لاہوتی، دوسری بشری اور ناسوتی۔

۳۔ نسطور پر لعنت اور اسے مصر جلاوطن کرنا۔

ملاحظات

۱۔ کونسل میں تمام مسائل پر بحث نہیں ہو سکی کیونکہ انطاکیہ کے اساقفہ اور خود نسطور غائب تھے۔

۲۔ سابقہ کونسلوں نے ابن کا جو مفہوم متعین کیا تھا، اس پر کونسل نے اضافہ کیا اور کہا کہ بیٹا جو خدا ہے، اس کی دو طبیعتیں ہیں، ایک لاہوتی اور الٰہی اور دوسری بشری و ناسوتی۔

۳۔ عقیدہ کے بارے میں تناقضات کو انجیل کی تائید نہیں حاصل ہو سکی۔

۴۔ خلقیدونیہ کی کونسل ۴۵۱ء

سبب انعقاد

گزشتہ کونسل میں مسیح کی دو فطرتیں: لاہوتی اور ناسوتی قرار پائی تھیں، لیکن اس فیصلے سے بھی مسیحی فرقوں کے اختلاف ختم نہیں ہوئے، اور فریق مخالف اپنے عقیدے کی اشاعت کرتا رہا حتیٰ کہ وہ موصل و فرات تک پہنچ گیا، اور اس کے مقابلے میں بطریق اسکندریہ کو ہم طبیعت مسیح کی ایک نئی تفسیر کرتے ہوئے پاتے ہیں کہ اس میں دو طبیعتیں ہیں، ایک لاہوتی اور دوسری ناسوتی جو مسیح کی ذات میں متحد ہو گئی ہیں، اس لئے بطریق اسکندریہ نے افسس کی دوسری کونسل قائم کی اور اس میں اپنا یہ نظریہ رکھا کیتھولک کلیسا اس حرکت پر سخت غضبناک ہوا اور اسے چوروں کی کونسل قرار دیا، اس کے علاوہ بطریق قسطنطنیہ اس پر سخت احتجاج کرتے ہوئے کونسل سے نکل گیا اور کونسل کی قراردادوں سے عدم تعاون کا اعلان کر دیا، اس پر کونسل کے صدر نے اسے نکال باہر کرنے کا حکم دیا، اس طرح بڑی افراتفری اور شور و شغب پیدا ہوا، اور یہ رائیں موضوع بحث بن گئیں۔

۱۔ افسس کی دوسری کونسل کا جواز۔

۲۔ اس کونسل . کی تشریعی حیثیت اور اس کی قراردادوں کے احترام کے حدود۔

۳۔ اجتماعی احکام اور قراردادوں کا نفاذ یا عدم نفاذ۔

ان تمام باتوں سے مسیحی معاشرے میں نزاع، کشمکش، رسہ کشی اور فکری و دینی انارکی پیدا ہو گئی روما کی ملکہ اور اس کے شوہر نے اس سلسلے کو ختم کر دینے کا ارادہ کیا، اور

اس کے لیے خلقیدونیہ میں ۴۵۱ء میں اس کونسل کے انعقاد کا فیصلہ ہوا۔

حاضرین کی تعداد

مسیحی اہل قلم کہتے ہیں کہ خلقیدونیہ میں اکتوبر ۴۵۱ء میں جو کونسل ہوئی اس میں ۲۵۰ اسقف شریک ہوئے ملکہ اس کی نگراں اور صدر تھی، اس اجتماع میں بھی شور و شر غالب رہا، جو دیسکورس بطریق اسکندریہ کے اخراج کی تجویز پر شروع ہوا، جس پر یہ الزام تھا کہ اس نے پاپائے روم کی اجازت کے بغیر افسس کی دوسری کونسل منعقد کرلی تھی، لیکن حکومت کے مندوبین اس تجویز سے متفق نہیں ہوئے، اور اس سبب سے اور اختلافات اٹھ کھڑے ہوئے۔

قراردادیں

۱۔ مسیح میں ایک طبیعت نہیں، دو طبیعتیں ہیں، الوہیت ایک الگ طبیعت اور ناسوت ایک الگ طبیعت ہے، جو مسیح کی ذات میں متحد ہوگئی ہیں، اس بارے میں ابن البطریق لکھتا ہے:

> "لوگ کہتے ہیں کہ کنواری مریم نے خدا یعنی مسیح کو پیدا کیا جو اپنی الوہی فطرت میں باپ کے ساتھ ہے، اور طبیعت انسانی میں انسانوں کے ساتھ ہے، انھوں نے اس کا اقرار کیا کہ مسیح دو طبیعتیں، ایک اقنوم اور ایک ذات ہے"

۲۔ افسس کی دوسری کونسل کی قراردادوں کا ابطال جسے اسکندریہ کے بطریق دیسکورس نے منعقد کرایا تھا، اور جس میں اس نے یہ تجویز پاس کی تھی کہ مسیح کی ایک ہی فطرت ہے

میں ناسوت و لاہوت کا اجتماع ہے۔

۳۔ نسطورا اور دیسکورس اور ان کے متبعین پر لعنت۔

۔ دیسکورس کو قسطنطین جلاوطن کرنا۔

ملاحظات

۱۔ اس اجتماع پر جو فضا محیط تھی وہ حد درجہ غیر مہذب اور غیر مرتب تھی، یہاں تک کہ حکمراں جماعت کو یہ کہنا پڑا کہ "اساقفہ اور ائمۂ دین کے یہ شایانِ شان نہیں کہ ان کے مجمع میں چیخنے چلانے، گالم گلوچ، اور ہاتھا پائی کی نوبت آئے، بلکہ انھیں قوم کے لئے شائستگی کا نمونہ بننا اور کام کو خوش اسلوبی سے انجام دینا چاہیے، اس لئے آپ سے یاوہ گوئی کے بجائے دلیل کی روشنی اور واہی تباہی باتوں کی جگہ حجت و برہان کی امید رکھتے ہیں، اور یہ کہ آپ گفتگو کو سکون کے ساتھ سنیں گے۔"

۲۔ اس اجتماع میں ہر فریق اپنی رائے پر اڑا رہا اور دوسرے کو جھٹلاتا رہا مصر والوں نے بطریق اسکندریہ کی ہمنوائی کی اور اس کے خلاف مجمع کے فیصلے کو نظر انداز کر دیا، اس کے ساتھ رومی حکومت کے بھیجے ہوئے دینی سفارت کا بھی انکار کر دیا، اس سلسلے میں تاریخ امت قبطیہ کا مصنف لکھتا ہے۔

> "جب مصریوں نے اپنے بطریق کے ساتھ بدمعاملگی کی بات سنی تو مشتعل اور برافروختہ ہو کر کونسل کی قراردادوں کو ماننے سے انکار کر دیا، اور اپنے بطریق کو بحال رکھنے پر اصرار کیا، اور اس کے عقائد کو اپنا عقیدہ بتایا خواہ روم۔۔۔ اور قسطنطنیہ کے تمام اسقف اور بطریق اس کے خلاف ہوں، اپنے بطریق کے

خلاف حکم کو انھوں نے اپنی قومی آزادی اور سیاسی حقوق میں مداخلت سمجھا
اگرچہ اس حکم کا رنگ دینی تھا"

۳۔ اس کونسل کے بعد یعقوب براذعی نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا جس کے ذریعہ وہ مصری کنیسہ کے اعتقاد کہ مسیح کی فطرت ایک ہے، کی طرف بلاتا تھا اور جو خلقیدونیہ کی کونسل کی تجویز سے مختلف تھا، یہ واقعہ چھٹی صدی مسیحی کا ہے ۔ اس طرح مصری کلیسا، مغربی کلیسا سے الگ ہونا شروع ہوگیا، اس کی تفصیل "تاریخ المسیحیۃ فی مصر" کے ذریعہ اس طرح ہمارے سامنے ہے:

> "ہمارا صحیح ایمانی کلیسا جس نے اپنا ایمان کیرلس اور دیسکورس سے حاصل کیا تھا، ان کے ساتھ حبشی، سریانی اور آرتھوڈکسی کلیسا تھے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات ایک ہے، لیکن اس کی حیثیتیں اور نسبتیں تین ہیں، ایک اقنوم باپ کا، دوسرا اقنوم بیٹے کا، تیسرا اقنوم روح القدس کا، اور دوسرا اقنوم روح القدس اور مریم عذرا کے ذریعہ مجسم و متشکل ہوا، اور اس طرح وہ ایک جسم بن گیا اور اس میں وحدت ذاتی کا جوہر اور اختلاط و امتزاج اور انفصال سے برات پائی گئی، اس اتحاد کے ذریعہ ابن متجسم دو طبیعتوں پر مشتمل ایک طبیعت بنا اور ایک مشیت کے ذریعہ سامنے آیا۔"

تبصرہ اور جائزہ

یہ ان اہم کونسلوں کی روداد تھی جن کی مسیحی زندگی میں عقیدہ و نظام اور دین و اخلاق کے لحاظ سے بڑی اہمیت ہے، اب ہم یہاں چار اہم نکتوں کی وضاحت کریں گے۔

۱۔ یہ مسیحی اجتماعات خواہ عالمی نوعیت کے ہوں یا مقامی اور محدود پیمانے کے وہ بہر حال اختلاف عقیدہ کے سائے میں منعقد ہوئے، اور جن کی کبھی کوئی واضح تفسیر نہیں ہو سکی۔

۲۔ ان کونسلوں نے نہ عقیدے کا کوئی اختلاف دور کیا نہ مسیح کی ذات کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا بلکہ اس نے اور اختلاف کو بڑھا دیا، اور مخالفین کے خلاف سختی برت کر اختلاف کی خلیج کو اور گہری بنا دیا۔

۳۔ یہ مناقشات اور قراردادیں انجیل کو سامنے رکھ کر نہیں ہوتی تھیں۔ اور نہ ان میں رسائل رسل سے ہی مدد لی جاتی تھی بلکہ خود رسائل کو بھی درجۂ استناد نیقیہ کی کونسل (۳۲۵ء) کے بعد ہی ایک کونسل کے ذریعہ حاصل ہوا۔

۴۔ اس جنگ و جدال میں کہیں عقیدے اور مسیحیت کے صحیح نقوش نہیں دکھائی دے سکے، اور نہ مسیحی فرقے مسیحیت کو دریافت کر سکے یہاں تک کہ ۶۱۰ء میں اسلامی دعوت منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو گئی۔ مسیحیت پر غور کرنے والے کو اپنے پیش نظر یہ آیت رکھنی چاہیے۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ	جو لوگ ان کے بعد کتاب دیئے گئے وہ اس کی
لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ فَلِذٰلِكَ	طرف سے گہرے شک میں ہیں، اس لئے آپ
فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ	دعوت دیجئے اور قائم رہیے جس کا آپ کو
اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ	حکم ہے، اور ان کے خواہشات کی اتباع نہ
اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ	کیجئے، اور کہیے کہ میں اللہ کی اتاری کتاب پر
بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا	ایمان لایا اور مجھے تمہارے درمیان عدل کا

وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ
اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ

(الشوری - ۱۴، ۱۵)

حکم دیا گیا ہے۔ اللہ ہی ہمارا اور تمہارا رب ہے، ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں ہمارے تمہارے درمیان کوئی حجت نہیں اللہ ہمیں ایک دن جمع کرے گا، اور اسی کی طرف لوٹ جانا ہے

بحث کی تکمیل کے لیے میں ناظرین کو۔۔۔ سید قطب شہید کی تفسیر "فی ظلال القرآن" کے پچیسویں جز میں سورۂ زخرف کی تفسیر کے مطالعہ کا مشورہ دوں گا۔

خلاصہ

عقیدۂ تثلیث کا ارتقا اس طرح ہوا۔

۱۔ نیقیہ کی پہلی کونسل (۳۲۵ء) میں طے پایا کہ مسیح فقط خدا ہیں، اور روح القدس طبیعت مسیح، وغیرہ جیسے مسائل بعد کے اختلافات سے سامنے آئے۔

۲۔ قسطنطنیہ کی پہلی کونسل ۳۸۱ء میں مکدونیوس کے مقابلے پر طے ہوا کہ روح القدس بھی معبود ہے، لیکن وہ خدا کی مخلوق ہے۔

۳۔ افسس کی کونسل ۴۳۱ء میں طے پایا کہ مسیح کی دو طبیعتیں ہیں، ایک لاہوتی دوسری ناسوتی، نسطور کے اس عقیدے کے خلاف طے ہوا کہ مسیح الٰہ نہیں، بلکہ نجات یافتہ، ملہم اور مبارک ہیں، اور یہ کہ وہ بیٹا نہیں بلکہ وہ تقدس کے لحاظ سے ابنیت سے متصف ہیں۔

۴۔ خلقیدونیہ کی کونسل ۴۳۱ء میں طے کیا گیا کہ دونوں طبیعتیں الگ ہیں، ایک

لاہوتی ہے، اور دوسری ناسوتی جن کے ذریعہ مسیح کا خدا اور انسانوں سے واسطہ ہے، یہ رائے دیسکورس بطریق اسکندریہ کے مقابلے پر اپنائی گئی، جو طبیعت کی وحدت اور مسیحؑ میں لاہوت و ناسوت کے اجتماع کا قائل تھا، اسی وقت تثلیث کا نظریہ بھی مان لیا گیا، لیکن اس عقیدے سے دینی جنگ ختم نہیں ہو سکی، اس کے بعد بھی کونسلیں ہوتی رہیں، تجویزیں سامنے آتی رہیں، لیکن ان میں حقیقی مسیحیت پر مبنی بحث کا رنگ کہیں بھی ملتا ہے، یا اس کے برخلاف مسیحیت ایک قومیت کا رنگ اختیار کر گئی؟

۵۔ قسطنطنیہ کی دوسری کونسل ۵۵۳ء

سبب انعقاد

اس کے انعقاد کا سبب یہ تھا کہ کچھ اساقفہ تناسخ روح کے قائل ہو گئے اور یہ کہنے لگے تھے کہ مسیح ایک حقیقت نہیں بلکہ ایک خیالی پیکر تھے۔

حاضرین کی تعداد

اس اجتماع میں ۱۴۰ اسقف جمع ہوئے تھے۔

قراردادیں

اس میں ہر اس اسقف کا عہدہ چھیننے کی تجویز ہوئی جو مسیح کو خیالی پیکر مانتا ہے، اور تناسخ ارواح کا قائل ہے، اسی کے ساتھ تمام سابقہ کونسلوں اور

خلقیدونیہ کی کونسل کے احترام کی تجویز ہوئی اور مسیح کی ایک طبیعت کا انکار کیا گیا۔

ملاحظات

الوہیت مسیح کا عقیدہ اپنی ہی جگہ نہیں رہا بلکہ اس طرح موضوع بحث بن کر بعض قسیس مسیح کو ایک خیالی علامت کہنے لگے، اسی سبب سے پانچویں کونسل منعقد ہوئی جس نے چوتھی کونسل کی تصدیق کی۔

۶۔ قسطنطنیہ کی تیسری کونسل ۶۸۰ء

سبب انعقاد

ساتویں صدی عیسوی (۶۶۰ء) میں یوحنا مارون نامی شخص نے دعویٰ کیا کہ مسیح کی دو طبیعتیں ہیں لیکن مشیت ایک ہے، اس دعویٰ سے حکام اور دینی رہنما بہت پریشان ہوئے خاص طور پر شاہ یوغاناتوس بہت متفکر ہوا چنانچہ اس نے [illegible] میں قسطنطنیہ میں کونسل بلائی۔

حاضرین کی تعداد

اس کے حاضرین میں ۲۸۹ اسقف تھے۔

قراردادیں

۱۔ مسیح کی دو طبیعتیں اور دو مشیتیں ہیں۔

۲۔ وہ شخص لعنت کا مستحق ہے جو مسیح کے لئے ایک طبیعت اور ایک مشیت کا قائل ہے۔[1]

۷۔ نیقیہ کی دوسری کونسل ۷۸۷ء

سبب انعقاد

۷۵۴ء میں شاہ قسطنطین پنجم کے حکم سے ایک کونسل ہوئی جس نے یہ قراردادیں پاس کی تھیں:

۱۔ عبادت میں تصویر اور مجسموں کی حرمت۔
۲۔ مریم عذرا سے شفاعت طلبی کی حرمت۔

اس لئے ملکہ ایرینی نے نیقیہ میں ۷۸۷ء میں سابقہ کونسل پر غور کرنے کے لئے یہ کونسل بلائی۔

حاضرین کی تعداد

اس میں ۳۷۷ اسقف جمع ہوئے۔

قراردادیں

۱۔ مسیح اور دوسرے مقدسین کی تصویروں کی تقدیس وتعظیم۔
۲۔ ایسی تصویریں کلیسا، مقدس عمارات، گھر، اور راستے پر رکھیں جائیں اس لئے کہ

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ ابن بطریق

خداوند یسوع اور ان کی والدہ اور دوسرے مقدسین کی طرف نظر، ہمیں ان کے بارے میں سوچنے کا شعور پیدا کرتا ہے۔

۸ ۔ (الف) قسطنطنیہ کی چوتھی کونسل ۸۶۹ء

سبب انعقاد

قسطنطنیہ کے بطریق فوسیوس کی رائے تھی کہ روح القدس صرف باپ سے نکلا ہے، اس خیال کی بطریق روما نے تردید کی اور کہا کہ وہ باپ اور بیٹے دونوں سے نکلا ہے، اسی پر جنگ شروع ہوگئی، اور قسطنطنیہ کے بطریق کو معزول ہونا پڑا اس کی جگہ جو دوسرا بطریق آیا اس نے یہ کونسل منعقد کی جس کا نام مؤرخین مغربی لاطینی کونسل رکھتے ہیں، جو روح القدس کے باپ اور بیٹے سے نکلنے کی تحقیق کے لئے منعقد کی گئی۔

حاضرین کی تعداد

یہ کونسل مخصوص نوعیت کی سمجھی جاتی ہے، مجھے اس کے حاضرین کی کیفیت نہیں معلوم ہو سکی، بہر حال اس کونسل کا موضوع اس کی قراردادوں سے واضح ہے۔

قراردادیں

۱۔ روح القدس، باپ اور بیٹے دونوں سے نکلا ہے۔

۲۔ مسیحیت سے متعلق ہر چیز کے بارے میں کلیسائے روم ذمہ دار اور مستند ہے

۳۔ پوری دنیا کے مسیحی تمام رسوم ورواج میں پاپائے روم کے ماتحت ہوں گے۔

۴۔ بطریق نوسیلوس اور اس کے ماننے والے ملعون اور محروم ہیں۔

۸۔ (ب) قسطنطنیہ کی پانچویں کونسل ۸۷۹ء

سبب انعقاد

بطریق فوسیوس نے اپنے مرکز پر واپس آکر ۸۶۹ء کی کونسل کی کارروائیوں کو باطل قرار دیا، اور اس کی جگہ اپنا مسلک صحیح قرار دیا، اس مقصد کی خاطر اس نے یہ کونسل منعقد کی جس کو تاریخ میں "مشرقی یونانی کونسل" کہا جاتا ہے۔

قراردادیں

۱۔ ۸۶۹ء کی تمام قراردادوں کا ابطال۔

۲۔ روح القدس کا صرف باپ سے ظہور ہوا۔

یہاں ناظرین کو اندازہ ہوگا کہ کلیسا میں فکری اور قومی کشمکش کا آغاز ہو گیا، اب یہ مسئلہ دینی سے زیادہ قومی اور سیاسی بن گیا، چوتھی کونسل سے مصری کلیسا کا خروج اور اپنے بطریق کی حمایت اور اپنے قومی شعور کی توہین کا احساس جو اس کے بطریق کی توہین کا نتیجہ تھا، اور اس کا اپنے بطریق کو صحیح ماننا چاہیے دنیا کے بطریق جو بھی کہیں قومی شعور ہی کا غماز ہے۔

مشرقی یونانی اور مغربی لاطینی کونسلوں کے انعقاد سے رومن کلیسا کے بالمقابل

یونانی کلیسا بھی وجود میں آگیا۔

ایک کلیسا کا نام پطرسی مغربی کلیسا پڑا، جس کا دعوا ہے کہ وہ پطرس رسول کی قائم کردہ ہے، اور پوپوں کی جماعت اس کی نائب ہے، اسی طرح وہ دینی حکومت و غلبہ کی بھی مدعی ہے، اور یہ کہ اس کا اقتدار، بلجیم، اٹلی، اسپین، فرانس اور پرتگال تک وسیع ہے، دوسرے کا نام مشرقی یونانی آرتھوڈاکس کلیسا پڑا جو قسطنطنیہ کی کونسل سے پہلے کی، کونسلوں کی قائل ہے، اسی طرح وہ پاپائے روم کی سیادت کی بھی قائل نہیں (اگرچہ اب زمانہ کے اثر سے اس کے موقف میں تبدیلی آگئی ہے، اور اس میں کچھ ہم آہنگی کی کوششوں کا بھی دخل ہے،) لیکن اسے زمانی سبقت حاصل ہے، بطریق قسطنطنیہ کا درجہ اس کے معًا بعد آتا ہے، اس کا دائرۂ اقتدار روس، یونان، سرویا اور بحرابیض کے کچھ جزیروں تک وسیع ہے۔

کلیساؤں کی درجہ بندی اس طرح کی جاسکتی ہے:

۱۔ کلیسائے مصری جو اسکندریہ میں واقع تھا، اور جس کا دارالسلطنت قاہرہ تھا۔

۲۔ مشرقی یونانی آرتھوڈاکس کلیسا جس کا دارالحکومت قسطنطنیہ تھا۔

۳۔ پطرسی مغربی کلیسا جس کا مرکزی شہر روما تھا۔

نتیجہ

آئندہ آنے والے مجامع عالمی کونسلوں کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ یا وہ کسی فرقہ سے مخصوص ہیں، یا مخصوص مقامات اور مخصوص مفادات کے تابع ہیں۔

۹۔ کونسل روما ۱۱۲۳ء

اس کی ایک اہم قرارداد یہ تھی کہ اساقفہ کا تعین پاپا کا کام ہے نہ کہ حکام کا۔

۱۰۔ کونسل روما ۱۱۳۹ء

اس کا اہم واقعہ یہ ہے کہ وہ مشرقی اور مغربی کلیساؤں میں اتحاد کرانے میں ناکام رہی اس کے ارکان کی تعداد ایک ہزار تھی۔

۱۱۔ کونسل روما ۱۱۷۹ء

اس کی اہم قراردادیں یہ تھیں:

۱۔ پوپ کا انتخاب کارڈینالوں کی دو ثلث تعداد سے ہوگا۔

۲۔ عشائے ربانی میں روٹی اور شراب کے مسیح کے خون اور گوشت میں بدلنے کی روایت کے بارے میں سکوت۔

۱۲۔ کونسل روما ۱۲۱۵ء

اس کی اہم قراردادیں یہ تھیں۔

۱۔ کلیسائے روم کے ہاتھ میں نجات ہے، اور وہ جسکو چاہے دے سکتا ہے۔

۲۔ اس کا اقرار اور اسے دینی عقیدہ بنانا کہ عشائے ربانی میں روٹی اور شراب مسیح کا گوشت اور خون ہوتا ہے۔

پھر دوسری کونسلیں بھی ہوتی رہیں لیکن پروٹسٹنٹ کی وجہ سے سخت اختلاف رونما ہوئے۔ اور اہم کونسلیں دو ہی ہو سکیں۔

۱۹۔ ۱۵۴۲ء سے ۱۵۶۳ء تک

اس طویل کونسل کا انعقاد پروٹسٹنٹ فرقہ کے ترقی پسندانہ رجحانات کی تردید کے مقصد سے ہوا تھا یہ کونسل شہر "ٹریڈنٹوا" میں ہوئی تھی، اس میں صرف پروٹسٹنٹ کی تردید ہی ہوئی۔

۲۰۔ کونسل روما ۱۸۶۹ء

اس کی ایک اہم قرارداد یہ تھی کہ "پوپ معصوم ہے" اس سلسلے میں نوفل بن نعمۃ اللہ بن جرجس کہتے ہیں۔

اس کونسل سے مشرق و مغرب کے کیتھولک جماعتوں میں بھی تقسیم شروع ہو گئی اور یورپ کے جن لوگوں نے اس عقیدے کی مخالفت کی وہ اپنے کو پرانے کیتھولک کہتے ہیں۔

یہاں تک کونسلوں کے بارے میں خود علمائے مسیحیت کے بیانات کا خلاصہ تھا، اس موقعہ پر ان چار نکات پر غور کرنا بہت ضروری ہے۔

۱۔ ان کونسلوں کے انعقاد کا سبب علمائے مسیحیت کا اختلاف تھا۔

۲۔ ان کونسلوں سے معاشرے میں مزید اختلافات رونما ہوئے، چہ جائیکہ اور کم ہوتے۔

۳۔ قراردادوں میں انجیل کے نصوص کو اہمیت نہیں دی گئی۔

۴۔ ان جھگڑوں نے اصل مسیحیت کے خط و خال یہاں تک مسخ کر دیئے کہ اس کے علماء باہمی اختلافات میں اپنی رائے منوانے کے لئے کونسلیں ہی منعقد کرتے رہے۔

اور اب بحث کے وقت ان سوالوں کا جواب پہلے سوچنا چاہیئے:

۱۔ کیا مسیحیت کی تفسیر و تشریح کے لئے انجیل کافی نہیں ہے۔؟

۲۔ اگر انجیل کافی نہیں تو پھر دوسرا مستند مآخذ و مصدر کونسا ہے؟

۳۔ کیا کونسلوں نے عقائد کو دینی نصوص کی روشنی میں یا ذاتی تعصبات اور عقلی پیچیدگیوں کے سائے میں دیکھا؟

۴۔ کیا عقیدے کے سلسلے میں صرف انسانی عقل سے رجوع کرنا کافی ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر فلسفہ اور مسیحیت میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟

۵۔ مسیحی معاشرے میں ماضی و حال کی تقسیم دینی نصوص یا دینی اساس پر ہے یا اسکی بنیاد شخصی رائے پر ہے؟

پھر ہم کلیسائے اسکندریہ کی ..... خلقیدونیہ کی کونسل کے بعد علیحدگی اور کلیسائے قسطنطنیہ کی ۸۶۹ء میں علیحدگی اور کیتھولک چرچ کی ۱۸۶۹ء میں تقسیم کی

کیا توجیہ کرتے ہیں؟ کیا اس تقسیم میں دینی اساس کے بجائے ذاتی آرا اور تعصبات کا دخل نہیں تھا؟ ــــــ مسیحیوں کو حقیقت کی روشنی میں لانے کے لئے ان سوالوں کا جواب ضروری ہے۔

* * *

مسیحی فرقے — پرانے اور نئے

یہاں مسیحی فرقوں کا بیان، مسیحی کونسلوں کی گذشتہ رپورٹ ہی کی روشنی میں ہوگا۔ اس لئے کہ چوتھی صدی سے ہونے والی ان کونسلوں ہی سے یہ فرقے پیدا ہوئے، اس سلسلے میں ہمارا طریق کار یہ ہوگا۔

۱۔ توحید کا مرحلہ، مسیحی افکار کی حکومت سے آزادی کے بعد سے نیقیہ کی پہلی کونسل ۳۲۵ء تک۔

۲۔ رومی حکومت کے غلبہ کے بعد عقیدۂ اقانیم کا رواج جو قسطنطین کے عہد میں نیقیہ کی پہلی کونسل کے انعقاد کے ساتھ شروع ہوتا ہے، اور تقریباً ساتویں کونسل تک پہنچتا ہے، جسے قسطنطین خامس نے ۷۸۷ء میں منعقد کیا تھا۔

۳۔ مشرقی و مغربی کلیساؤں کی علیحدگی اور حکومت کے اثر سے آزاد ہونے کا مرحلہ جو آٹھویں کونسل کے انعقاد سے متعلق تھا یعنی ۸۶۹ء میں مغربی لاطینی کونسل کا انعقاد اور ۸۷۹ء میں مشرقی یونانی کلیسا کا اجتماع جن سے کلیسا ہمیشہ کیلئے

مشرقی اور مغربی شاخوں میں تقسیم ہو گیا۔

چند ملاحظات

روما میں ۱۱۲۳ء میں منعقد ہونے والا اجتماع مسیحیت کے استقلال اور حکومت کی ماتحتی سے الگ ہونے کی طرف پیشرفت کہا جا سکتا ہے ـــــ جس میں یہ طے پایا کہ اساقفہ کا تقرر حکومت کے بجائے پوپ کے ذریعہ ہوگا۔ ۱۸۶۹ء میں منعقد ہونے والا اجتماع اس استقلال و خودمختاری کی انتہا کہا جا سکتا ہے۔ ....

.... جب اجتماع نے پوپ کی عصمت کا اقرار کیا اور مسیحی معاشرے پر اسے مطلق بالادستی دیدی۔

اس طرح مسیحی فرقوں پر بحث تین مرحلوں سے گزرے گی:

۱۔ مرحلۂ توحید، جو کلیسا کی حکومت سے علیحدگی کے وقت تھا۔
۲۔ حکومت کے زیر سایہ عقیدۂ تثلیث کے رواج کا مرحلہ۔
۳۔ حکومت سے علیحدگی اور مسیحیت کے استقلال کا مرحلہ۔

عہد توحید اور رجالِ کلیسا کی حکومت سے بے نیازی کا مرحلہ

اس عہد کے موحدین جیسے اریانوس اور اس کے متبعین کا کہنا تھا کہ صرف باپ ہی خدا ہے اور بیٹا اس کا مخلوق ہے، اور باپ اس وقت بھی تھا، جب بیٹا نہیں تھا۔ پولس شمشاطی اور اس کے بلقانی ساتھی بھی موحدین میں تھے، پولس، انطاکیہ کا بطریق تھا اس کا کہنا تھا کہ عیسیٰ دوسرے انبیاء کی طرح اللہ کے بندے اور رسول ہیں[1]۔

---

[1] ملاحظہ ہو۔ الفصل فی الملل والنحل لابن حزمؒ، محاضرات فی النصرانیۃ: شیخ محمد ابو زہرہ، الملل والنحل شہرستانی۔

مرقیون۔ اور اس کے متبعین۔ کا کہنا تھا کہ خدا تین ہیں، نیک، بد، اور ایک متوسط

بربرانیہ۔ یہ فرقہ حضرت مسیح اور ان کی والدہ کو خدا مانتا تھا۔

رومی حکومت کے زیر سایہ "اقانیم" کا رواج

توحید و تثلیث کا امتزاج۔

۱۔ مقدونیوس۔ اس نے روح القدس کی الوہیت کا انکار کیا اور کہا کہ وہ خدا کی مخلوق ہے[1]۔

۲۔ نسطوری۔ یہ قسطنطنیہ کے بطریق نسطور کے ماننے والے تھے جس کا عقیدہ تھا کہ مریمؑ نے خدا کو نہیں بلکہ انسان کو پیدا کیا اس لئے وہ انسان کی ماں تھیں، خدا کی نہیں۔

۳۔ یعقوبیہ۔ ان کی نسبت یعقوب براذعی کی طرف ہے جس نے بطریق اسکندریہ کا یہ عقیدہ چرالیا تھا کہ مسیح کی ایک ہی طبیعت ہے، جو لاہوت و ناسوت کے ملنے سے بنی ہے، خلقیدونیہ کی کونسل (۴۵۱ء) نے اس عقیدہ کو ترک کر دیا تھا۔ جس کے سبب مصری کلیسا نے اپنے بطریق کی حمایت کا اعلان کر دیا اور کلیسائے روما سے الگ ہو گیا۔

۴۔ مارونیہ۔ یہ یوحنا مارون کے پیرو تھے جو خدا کی ایک مشیت مانتا تھا، لیکن اس کے ساتھ اس کی دو طبیعتیں بھی مانتا تھا، اور یہی بات چھٹی کونسل کے ۶۸۰ء میں انعقاد کا سبب بنی تھی، جس نے یوحنا کی جلاوطنی اور لعنت زدگی اور خدا کی دو مشیتوں کا اعلان کیا۔

---

[1] تاریخ الکنیسہ (ترجمہ یوسف بستانی)

استقلال اور حکومت سے کشمکش کا مرحلہ

آٹھویں کونسل جس کی دو نشستیں ہوئی تھیں، ایک مغربی لاطینی (۸۶۹ء) دوسری مشرقی یونانی (۸۷۹ء) یہ کونسل کلیسا کی تقسیم کا باعث بن گئی۔ ایک مغربی لاطینی جس کا نام کلیسائے پطرس، جس کا سربراہ روما کا پوپ ہوتا ہے۔

دوسرا مشرقی یونانی کلیسا، جس کا نام کلیسائے روم ہے، اور اس کا سربراہ قسطنطنیہ کا بطریق ہوتا ہے۔

تقسیم کا سبب

تقسیم کے دو بنیادی مراحل کہے جا سکتے ہیں:

۱۔ آٹھویں کونسل کا مناظرہ جس کا موضوع یہ تھا کہ کیا **روح القدس** کا ظہور صرف باپ سے ہے، جیسا کہ مشرقی کلیسا کا عقیدہ ہے یا باپ اور بیٹے دونوں سے ہے جیسا کہ مغربی کلیسا کا خیال ہے؟ یہ عقائد کا پہلا اختلاف تھا جس سے آٹھویں کونسل کی فضا پر شور رہی، اور جب کہ مشرقی حصے کے صدر بطریق قسطنطنیہ فوسیوس نے سابقہ کونسل کے برخلاف اپنے عہدے کو دوبارہ حاصل کر لیا۔

۲۔ دوسرا عامل بالادستی کا مسئلہ تھا کہ عالم مسیحیت پر کس کا اقتدار قائم ہو۔ مغربی کلیسا نے یہ طے کیا تھا تمام مسیحی اس کے پابند ہونا چاہئیں، لیکن مشرقی کلیسا کا کہنا تھا کہ پوپ کا کوئی اختیار نہیں اور وہ صرف سات پہلی کونسلوں کا قائل ہے۔ اس کے بعد کی کسی قرارداد کا پابند نہیں۔

ایک اہم تاریخی نکتہ

اتحاد کی کوششوں کے باوجود دونوں کلیساؤں میں کشمکش چلتی رہی اور پھر مغربی کلیسا نے صلیبی حملوں کے ساتھ عسکری تسلط قائم کر لیا، پوپ انوسنٹ ثالث نے اپنے اختیار سے کام لے کر صلیبی "مجاہدوں" کو یونان کے مشرقی ممالک چھین لینے پر اکسایا۔

یہاں میں خود مسیحی مورخین کے بیانات درج کروں گا کہ مغربی عیسائیوں نے مشرقی عیسائیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا، چنانچہ نوفل بن نعمۃ اللہ بن جرجس اپنی کتاب (سوسنۂ سلیمان) میں کہتا ہے:

> "پوپ انوسنٹ ثالث نے صلیبی بہادروں کو یونان کے ہاتھ سے مشرقی ممالک چھین لینے پر اکسایا، چنانچہ وہ لوگ ۱۲۰۴ء میں قسطنطنیہ میں گھس گئے اور وہاں ۱۲۶۱ء تک اپنا تسلط برقرار رکھا، اور شام و فلسطین کے مقبوضات میں ہر ممکن بربریت سے کام لیا، ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ یونان اور یروشلم کے بطریقوں کو زیر کر لیں، اس کے لئے انھوں نے قید و بند اور کلیساؤں کو تالا لگانے سے بھی گریز نہیں کیا، اور انھیں اتنا مجبور کر دیا کہ وہ رومی حکام کی جگہ عربوں کو ترجیح دینے لگے اور ایک حریص "روحانی" سلطنت کے بجائے انھیں جزیہ دینا زیادہ آسان معلوم ہونے لگا۔"

جارج سیل، (مشہور متعصب مسیحی) اپنے ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں لکھتا ہے:

"یہ یقینی ہے کہ تیرھویں صدی مسیحی کے شروع ہی مشرقی کلیسا کو ج

ظلم وستم سہنا پڑا اس کے سبب بہت سے مسیحیوں کو اپنی آزادی کے لیے
بادیہ کا رخ کرنا پڑا۔

ان دونوں بیانات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ: مشرقی کلیسا پر بہر حال ظلم ہوا اور دوسرے یہ کہ اسی ظلم نے مسیحیوں کو عربوں کے ساتھ رہنے پر ایک طرح سے مجبور کر دیا تاکہ وہ اپنی آزادی برقرار رکھ سکیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مسیحیوں کے درمیان کبھی وہ "رواداری" پائی گئی ہے جس کا وہ اکثر نام لیا کرتے ہیں؟ بلکہ عوام کے علاوہ خود علمائے مسیحیت کے درمیان کبھی رواداری پائی گئی ہے؟ اس کے سوا کیا مسیحی کونسلوں کے ذریعہ موحدین اور دوسرے مخالفین کو عہدوں سے محروم کرنا اور ان پر لعنت بھیجنا "رواداری" کا نمونہ ہے؟ اور ۷ر مئی ۱۹۴۹ء کو پوپ کا یہ فرمان کہ "کیتھولک خاتون کا آرتھوڈاکس یا پروٹسٹنٹ مرد سے نکاح حرام ہے" بھی "رواداری" میں شامل ہے؟[1] اس صورت میں پھر مسیحی "رواداری کا کیوں اعلان اور دعوا کرتے ہیں. حالانکہ ان کی تاریخ اس چیز سے کبھی واقف ہی نہیں رہی ہے، پھر اس پر کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ مسیحی سچ مچ حق اور عالمی امن کی خاطر "رواداری" کا نام لے رہے ہیں؟

---

[1] ریلیا الزواج المسیحی ۳۲

دینی اصلاح کی تحریک

مغرب میں مسیحیت کی مذہبی حالت نے عقل انسانی کو اس کی تعلیمات کی طرف سے شک و شبہ میں مبتلا کر دیا، اور باشعور نوجوان یہ محسوس کرنے لگے کہ کلیسا کی تعلیم انسانی فطرت سے میل نہیں کھاتی، اس لئے دین مسیحی کی اصلاح کے لئے کئی اصلاحی تحریکیں اٹھتی ہیں تاکہ وہ عقل و روح کو مطمئن کر سکے۔

اس دینی اصلاح کے دو پہلو تھے، ایک رجال کلیسا کا ردعمل۔ دوسرا بیرون کلیسا کا ردعمل۔

ہم یہاں یہ وضاحت کریں گے کہ مغربی نوجوان کو مذہبی اصلاح پر اتنا اصرار کیوں تھا؟ اس کے لئے اس وقت کے کلیسا کی حالت پر ایک نظر ضروری ہے جس کا تعلق ان نکات سے ہے:

۱۔ کلیسا کا معاشرے سے تعلق (جس میں عوام و علماء اور حکام سے تعلق شامل ہے)۔

۲۔ کلیسا کے ذاتی اعمال یعنی ٹیکس، تفسیر انجیل میں دھاندلی، عشائے ربانی کا مسا اور رجال کلیسا کا باہمی طرز عمل۔

کلیسا کا تعلق عوام و علما سے

کلیسا نے اپنی تعلیمات کے نفاذ میں بڑے مبالغہ سے کام لیا تھا، اس کے لئے اس نے وعظ و ارشاد کے بجائے جبر کا طریقہ پسند کیا، چنانچہ اس نے اختلاف رائے کو ممنوع کر دیا، اور اس کے ساتھ ہی علمی و سائنسی مباحثے بھی ممنوع قرار پائے، اور اس طرح کی بحث کرنے والوں کے خلاف کفر کے فتوے دیدیئے گئے اور اس کی خلاف ورزی کی سزا آگ میں جلانا قرار پایا، بارہویں کونسل نے جو چوتھی لاتیرانی کونسل منعقدہ (۱۲۱۵ء) کہی جاتی ہے، کلیسا کی ہر مخالف رائے کو جرم قرار دیا، خواہ وہ رائے سائنس ہی سے کیوں نہ متعلق ہو، اس قسم کے علمار کے خلاف جاسوسی ہوتی تھی اور اس کے لئے باقاعدہ تفتیش کا محکمہ (THE INQUISITION) قائم کیا، موسیو اتین دینیہ اس بارے میں کہتا ہے:

> "کلیسا نے ایسے لوگوں سے جنگ کی اور ان کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیا، جیسے گلیلیو (اطالوی ماہر فلکیات) اور اتین دولیہ (فرانسیسی ادیب اور ناشر) اور اس جیسے کتنے لوگ اس مکروہ تعصب کے شکار ہو گئے[1]۔"

---

[1] اشعۃ من عمتہ بنور الاسلام - ۱۳

کلیسا کا تعلق امراء اور حکام سے

کلیسا نے عوام کی طرح، امراء و حکام پر بھی اپنے قوانین کا نفاذ ضروری قرار دیا، اور ان کے لیے بھی عہدوں سے جبری محرومی، اور لعنت کی قراردادیں پاس کی گئیں، نوفل بن جرجس لکھتے ہیں:

> "تیرہویں کونسل ۱۲۴۵ء میں پوپ انوسنٹ چہارم کے حکم سے لیون (فرانس) میں منعقد ہوئی، اس کا مقصد فرڈریک شاہ فرانس کو معزول کرنا تھا۔"

کلیسا کا آپسی طرز عمل

کلیسا نے تمام مسیحی افراد پر ایک ٹیکس لاگو کر دیا، اور اس کی وصولیابی میں بدسلوکی کو بھی روا رکھا، کہا جاتا ہے کہ پوپ کی راجدھانی (روما) میں ۱۶۰۰۰ پیشہ ور عورتیں تھیں، جنہیں مالی فائدے کی وجہ سے کلیسا کی سرپرستی حاصل تھی، اور وہ ان سے ٹیکس لیتا تھا۔

کلیسا نے انجیل کی تفسیر اور فتوی دہی کا حق اپنے پاس رکھ کر دوسرے تمام لوگوں کی عقلی و فکری سرگرمیوں پر پابندی لگا دی تھی، اور اگر کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو خود مسئلہ ہی کے لغو ہونے کا فتوی دیدیا جاتا تھا۔

اس نے عوام و علماء کو اس بات کے لئے آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ اس کے ہر غیر معقول قول کو بھی تسلیم کریں موسیو اتین دینیہ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے

لکھتے ہیں:

> "سینٹ آگسٹائن (جو خبیث ترین پادری تھا) اپنے کسی عقیدے کے بارے میں فیصلہ کرتے ہوئے، ہرگز صداقت نہیں برتتا تھا جب وہ کہتا تھا کہ
>
> "میں اسے اس لئے مانتا ہوں کہ یہ عقل کے خلاف ہے"[1]

ارباب کلیسا کا کہنا تھا کہ عشائے ربانی کی شراب اور روٹی مسیحؑ کا خون اور گوشت بن جاتی ہے (ہمیں یہاں یہ معلوم ہے کہ اس مسئلہ میں کلیساؤں میں اختلاف ہے لیکن اس وقت ہماری مراد مغربی کلیسا سے ہے) ——— اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو وہ روٹی اور شراب استعمال کرتا ہے، وہ اپنے مسیحؑ کا خون اور گوشت اپنا جزء بدن بنا لیتا ہے یہ ایسا غیر عقلی استدلال تھا، جو کسی طرح مسیحی نوجوانوں کے ذہن میں نہیں اتر سکا، اور اس کے ردعمل کے طور پر انھوں نے اس سے بغاوت کردی۔

نجات کے ٹکٹ اور پروانے

بارہویں کونسل نے یہ طے کیا کہ مسیحؑ نے کلیسائے روم کو دستاویز نجات اور پروانۂ مغفرت دینے کا مجاز کیا ہے، چنانچہ یہ ٹکٹ بے تکلف بیچے جانے لگے، اس پروانہ کی تحریر یہ ہوتی تھی:

> "اے فلاں تم پر ہمارا رب مسیحؑ رحم کرتا اور وہ اپنے مقدس آلام کے ساتھ تم میں حلول کرتا ہے، اور میں اپنے پیمبرانہ اختیارات سے جو مجھے دیئے گئے ہیں، تمہیں تمام معاوضوں، احکام اور کلیسا کے واجبات سے سبکدوش کرتا ہوں،

---

[1] اشعۃ خاصۃ بنور الاسلام - ۵۵

اور تمہارے تمام گناہ معاف کرتا ہوں خواہ وہ گناہ کسی نوعیت کے ہوں اور اگرچہ یہ پاکیزگی صرف مسیح اور کلیسا کے نمائندے کے ساتھ مخصوص تھی، اس وقت میں تمہارے گناہوں اور غلطیوں کی تمام گندگی کو مٹاتا ہوں اور ان تمام قصاص اور سزاؤں کو بھی معاف کرتا ہوں جن کے کفارے کے لیے تم پریشان تھے اور از سرِ نو تمہیں کلیسا کے اسرار کا محرم، اور مقدسین کا شریک بناتا ہوں اور تمہیں اس پاکی اور نیکی کی طرف لوٹاتا ہوں جو بپتسمہ لیتے وقت تمہارے اندر آئی تھی، اب تمہاری موت کے وقت وہ دروازہ بند ہو جائے گا جس سے گنہگار لوگ جہنم کے لیے گزرتے ہیں، اور خوشیوں کی جنت تک پہنچانے والا دروازہ کھول دیا جائے گا. تم اگر کئی برسوں کے بعد بھی مرے تو یہ نعمت تمہیں مل کر رہے گی، اور پھر باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے تمہارا آخری وقت آجائے گا۔“

اخلاقی طرزِ عمل

مسیحی عوام کا راہبوں اور پادریوں کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہ عالم لاہوت کے شائق اور ہر شہوت و نجاست سے الگ ہو کر پاکیزگی کا مرقع ہوتے ہیں، تاکہ وہ نمونۂ اخلاق بن سکیں، لیکن ہوا ایسا ہے کہ رجال کلیسا شہوات میں غرق، اور برائیوں میں لوث اور دینی استحصال کرتے نظر آئے ہیں، موسیو اتین دینیہ کہتے ہیں۔

> ”یہ بیچ کے مذہبی واسطے ہر مذہب کے لئے ایک مصیبت رہے ہیں،
> اسی لئے ان کے عقیدے، اخلاص اور حسن نیت کے باوجود حضرت مسیح نے

ایسے لوگوں کو دھتکار دیا تھا لیکن ان کے پیروؤں نے ایسا نہیں کیا۔ اگر آج حضرت عیسیٰ تشریف لائیں تو ہیکل کے کتنے پجاریوں بلکہ کاروباریوں کو نکال باہر کریں؟ ان انسانی واسطوں کے سبب تاریخ میں اکثر بلائیں، بلکہ خونریزیاں اور سفاکیاں وجود میں آئیں، جن کا تعلق خاندانوں سے بھی تھا۔ اور اقوام و ملل سے بھی اور ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ سب خدا کے نام پر کیا گیا۔[1]

* * *

---

[1] اشعۃ خاصۃ بنور الاسلام۔ ۲۳

تحریک اصلاح کا آغاز

اور ایک راہب کی آواز

جیسے یہ ایک فطری بات ہے کہ انسانی معدہ غیر مرغوب کھانے کو قبول نہیں کرتا ہے، اسی طرح یہ بھی قدرتی چیز ہے کہ انسانی ذہن بھی ناپسندیدہ افکار کو ہضم نہیں کر پاتا ـــــ صلیبی جنگوں کے بعد کلیسا نورِ حق سے دوچار ہوا اور ان جنگوں کے سبب مسیحی ذہن کے سامنے جو آفاق کھلے ان میں اسے اسلام کو سمجھنے کا موقع ملا اور حق پسند روحیں اسلام کی روشنی کی طرف مائل ہو گئیں، اور صلیبی جنگوں کی بھڑکائی ہوئی آگ نے کلیسائی نظام کو جھلس کے رکھ دیا، کلیسا کے حق مغفرت کے خلاف سخت احتجاج ہوئے، اور عوامی جماعتوں نے ایک ایک کر کے کلیسا کے گناہ گنانا شروع کئے اور ان میں کلیسائی تعلیمات کے فساد کا عقیدہ عام ہو گیا، اب انھیں معلوم ہو گیا کہ ان واسطوں کے بغیر بھی خدا انسان سے قریب ہے، اور اپنے پکارنے والے کی آواز سنتا ہے ـــــ پھر اس صورت میں واسطوں کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے" اور ایک پادری جو عام آدمی سے کم گنہگار نہیں، دوسروں کو پروانۂ نجات کیسے دے سکتا ہے! ان انقلابی خیالات کو

پادری یوحنا ہوس اور اس کے شاگرد جیروم نے سب سے پہلے عام کیا جن کا خلاصہ یہ تھا کہ: گناہوں کے دھونے میں کلیسا کو کوئی اختیار نہیں، بلکہ خدا کی رحمت اور توبہ ہی گناہوں سے پاکی اور نفس کی پاکیزگی کا صحیح راستہ ہے اور کلیسا میں گناہوں کا اعتراف وغیرہ محض خرافات ہے۔

کلیسا نے اسے بروقت محسوس کیا کہ یہ خیالات اس کے وجود اور اثر و نفوذ کیلئے سخت خطرہ ہیں، چنانچہ یوحنا کی بغاوت پر غور کرنے کے لئے "کونستانس" کی کونسل چار سال (۱۴۱۴ — ۱۴۱۸ء) تک چلتی رہی، اور بالآخر ان دونوں باغی علماء کے قتل اور آگ میں جلا دینے کا فیصلہ ہوا۔ اور حکومت نے کلیسا کے اس فیصلے کو نافذ کر کے ان دونوں کو عبرتناک طور پر قتل کر دیا۔

اس موضوع کو چھوڑنے سے پہلے میں انڈونیشیا کے مسیحی اور مسلمان علماء سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں، جو مسیحیوں کی "رواداری" کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے ہیں کہ کیا مسیحیت کی تاریخ میں رواداری کا کہیں نام و نشان بھی ملتا ہے؟ یعنی انڈونیشیا میں جو مسیحی رواداری کی آواز گونج رہی ہے، کیا وہ رواداری خود مسیحیوں میں کبھی رہی ہے؟[1]

---

[1] واضح رہے کہ مصنف نے یہ کتاب انڈونیشیا میں رہ کر اور وہاں کے حالات سے متاثر ہو کر لکھی تھی اس لئے ان کا روئے سخن کہیں کہیں اپنے قریبی مخاطبوں کی طرف ہو گیا ہے۔ (مترجم)

اصلاح کا دوسرا مرحلہ

فکری محاذ

پوپ کی مداخلت سے ایک طرف انگلستان کرا رہا تھا تو دوسری طرف فرانس اپنے بادشاہوں پر کلیسا کا کنٹرول دیکھ کر کڑہ رہا تھا، اس کے ساتھ ہی شمالی یورپ کا یہ خیال تھا کہ اس کی تہذیب دینی قدروں کے ساتھ بندھی ہوئی ہے، اس لئے کلیسا سے مفر نہیں، دوسری طرف معاشرہ رجال کلیسا سے ناراض، اس کے سلوک سے نالاں اور اس کی تعلیمات سے گریزاں تھا، اس صورت حال میں اصلاحی کوششیں شروع ہوئیں اور سولھویں صدی میں ان خطوط پر کام ہونے لگا، جبکہ علمی و جغرافی تحقیقات و انکشافات کا بھی آغاز اور صلیبی جنگوں کے سبب عالمی پیمانے پر انسانی تعلقات کی ابتدا ہو رہی تھی، اس وقت کی اصلاحی تحریک میں یہ اشخاص پیش پیش تھے۔

۱-ارزم (۱۴۶۵-۱۵۳۶ء)

اس نے اپنی اصلاحی تحریک کا مخاطب روشن خیال حکمرانوں کو بنایا اور انھیں

ذہنی تربیت اور وسعت نظر کے لئے کتب مقدسہ کے مطالعہ کی دعوت دی، تاکہ وہ اصل ماخذوں سے اپنے عقائد کو سمجھ سکیں، ارزم --- پوپ لیو دہم کا دوست تھا، چنانچہ پوپ اس کے خیالات اور عبقریت کا بڑا قدرداں اور اس کے فکر و نظر کا مداح تھا، اسی لئے ارزم پوپ کے مقدس مقام کا بہت خیال رکھتا تھا، اور اپنے اصلاحی کام سے اس میں مداخلت نہیں کرتا تھا، یہ بھی کہتا تھا کہ یہ اصلاحی کام تو خود رجال کلیسا کو کرنا چاہیئے، لیکن پوپ کے معتدل خیالات کو ارزم کے معاصر لوتھر (LUTHER) کی آواز نے جھنجھوڑ دیا جس کے سبب اس نے ارزم کی حمایت بھی ترک کر دی۔

۲۔ ٹامس مور (۱۴۷۸-۱۵۳۵ء)

وہ انگلستان میں پیدا ہوا اور اصلاح کلیسا کے لئے معتدل راستہ اختیار کیا، اس نے یہ اعلان کیا کہ پوپ کا احترام اور اس کی قیادت واجب ہے، اور اس کی دینی حکومت سب پر نافذ ہونی چاہیئے۔

۳۔ لوتھر

وہ ۱۴۸۳ء میں ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوا لیکن اس کے باپ نے اسے اپنی ہمت سے کام لے کر قانون کی اعلیٰ تعلیم کے لئے یونیورسٹی بھیجا اور پڑھایا، لیکن لوتھر کو قانون سے زیادہ الٰہیات سے دلچسپی تھی، اور اسی کے مطالعہ میں منہمک رہتا تھا، اس کے دینی احساسات کو دیکھتے ہوئے کلیسا کو اس کی طرف توجہ ہوئی اور اس نے اسے فلسفہ کا استاذ مقرر کرا دیا، وہ کچھ عرصے فلسفہ کا بھی مطالعہ کرتا رہا، لیکن اسے فلسفہ کی صلاحیت پر

شک ہونے لگا، وہ ارسطو کو ایک بت پرست سمجھتا تھا۔

اپنے مذہبی جذبات کی وجہ سے اس نے روم جاکر پوپ کی برکتیں حاصل کرنے کا ارادہ کیا لیکن روما پہنچ کر اس کے احساسات کو سخت دھکا لگا اس کا خیال تھا کہ اسے روما میں خشوع وخضوع اور ورع وتقوی سے واسطہ پڑے گا، لیکن اس کے برعکس اسے وہ گناہوں کا شہر دکھائی دیا جس میں گندی روحیں بستی تھیں، اور اس کے گلی کوچوں میں دین کی توہین ہوتی تھی، اور اس پر شک کیا جاتا تھا، اور گناہوں پہ بجائے ندامت کے جرأت وجسارت سے کام لیا جا رہا تھا، روحانی پیشواؤں کو اس نے بجائے فرشتہ صفت ہونے کے گناہوں میں غرق پایا چنانچہ اس المناک منظر سے اس کے جذبات مجروح ہوئے، اور اس کے وجدان وشعور کو سخت آزمائش کا سامنا کرنا پڑا اور نفس لوامہ نے اس سے کہا کہ یہ سب دین اور دینداری نہیں ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اس نے جرمنی آکر اصلاحی دعوت شروع کردی لیکن کلیسا کا فساد بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑتا تھا، پوپ لیو دہم نے روما میں پطرس کے کلیسا کی تجدید کا ارادہ کیا تو اس کے لئے پروانۂ مغفرت کی فروخت کا طریقہ اختیار کرنا چاہا اور ایک راہب کو یہ پروانے دیکر جرمنی بھیجا جس پر لوتھر نے غضبناک ہوکر یہ اعلان کیا کہ "گناہ توبہ ندامت اور خدا کی رحمت کے سوا معاف نہیں ہوتے" اس کے ساتھ ہی اس نے پروانۂ مغفرت کی فروخت کی مذمت کی اور اسے کلیسا کے دروازے پر لٹکا دیا جس سے رائے عامہ میں ایک ہلچل اور اضطراب پیدا ہوگیا اور ان کا شعور بھی بیدار ہوگیا، لیکن اس اقدام پر پوپ اور کلیسا بہت برہم ہوئے۔

اس کے اس گستاخانہ اقدام پر کلیسا نے محکمۂ تفتیش کے سامنے طلب کیا لیکن وہ بعض امراء کے کہنے سے حاضر عدالت نہیں ہوا، اس لئے عدالت نے لوتھر کو اس کے

عہدے سے معزول کر دیا جس سے اس کے غصے کی انتہا نہ رہی اور اس کی مخالفت میں اور شدت پیدا ہوگئی، پھر اس کے جواب میں ۱۵۲۱ء میں "ورمز" کی کمیٹی بیٹھی لیکن وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچی، البتہ اتنا ہوا کہ بادشاہ نے پوپ کے اعلان کے مطابق لوتھر کے شہریت کے حقوق چھین لیے، لیکن سکسونیہ کا حاکم اس کا طرفدار رہا، اس طرح اس مسئلے نے سیاسی رنگ اختیار کر لیا۔ امیر سکسونیہ اس کا حامی تھا لیکن ۱۵۲۹ء میں بادشاہ نے اپنا حکم نافذ کرنا چاہا لیکن لوتھر کے ماننے والوں نے اسے اس سے باز رکھا اور احتجاج کیا، اسی لیے وہ پروٹسٹنٹ کہلاتے ہیں ——— لوتھر کی موت کے بعد بادشاہ کو جب جنگوں سے فرصت ملی تو اس نے پروٹسٹنٹوں پر بڑا ظلم ڈھایا۔

لوتھر کے عقائد

۱۔ پوپ صرف ایک دینی شخصیت ہے، وہ حضرت مسیحؑ کا خلیفہ نہیں۔
۲۔ کوئی دینی شخصیت اگر فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرے تو اسے معزول کیا جا سکتا ہے۔
۳۔ دینی اشخاص کی نیک چلنی کی خاطر لوتھر ان لوگوں کی شادی پر زور دیتا ہے۔
۴۔ رجال کلیسا کی طرف رجوع کیے بغیر ہر مسیحی کو انجیل سمجھنے کا حق ہے۔
۵۔ عشائے ربانی مسیح کی فداکاری کا نشان ہے، لیکن اس کی روٹی اور شراب کو مسیح کا جسم اور خون قرار دینا مضحکہ خیز بات ہے۔

زونجلی

اس کی پیدائش سوئزرلینڈ میں ۱۴۸۴ء میں ہوئی۔ اس نے کلیسا کے خلاف اپنی جدوجہد "پروانۂ نجات" کی فروخت پر جاری کی جیسا کہ لوتھر جرمنی میں ایسا ہی کر چکا تھا۔ وہ عشائے ربانی کو موت مسیحؑ کی یادگار اور جنس بشر کے کفارے کا رمز کہتا تھا۔ اپنے پیرووں کیتھولکوں کے جھگڑے میں ۱۵۳۱ء میں مارا گیا ———

لوتھر کی تحریک جرمنی میں، اور زونجلی کی تحریک سوئزرلینڈ میں تھی، لیکن ان دونوں میں کبھی ملاقات کا اتفاق نہیں ہوا۔ بلکہ یہ اصلاح کلیسا کا احساس تھا جو دونوں میں مشترک تھا۔

کالوِن (CALVIN)

یہ فرانس میں ۱۵۰۹ء میں پیدا ہوا۔ اس کی زندگی بھی لوتھر کی زندگی جیسی نظر آتی ہے۔ اس نے بھی شروع میں شعبۂ قانون میں داخلہ لیا تھا، لیکن لاہوت سے دلچسپی کے سبب قانون کو چھوڑ دیا۔

جب اسے لوتھر کی دعوت پہنچی تو اس نے اس کی حمایت میں بڑی سرگرمی دکھائی، چنانچہ اس نے جنیوا کا سفر تصنیف و تالیف اور لوتھر کے عقائد کی تقویت ہی کے لئے کیا تھا۔ اس کی تحریریں پروٹسٹنٹ کلیسا کے بنیادی لٹریچر میں شمار ہوتی ہیں،

اس کا خیال ہے کہ حضرت مسیحؑ، عشائے ربانی میں اپنے جسم یا روح، کسی طرح بھی شریک نہیں ہوتے، اور عشائے ربانی کا کھانا حضرت مسیحؑ کی آمد کی ایک علامت ہے کہ

واقعہ اور حقیقت۔

علمائے کلیسا اور علمائے اصلاح کے بارے میں یہ ایک مختصر جائزہ تھا، جو اس دینی اصلاح کی تحریک کو بھی شامل ہے، جسے صاحبیوں نے اپنی آنکھیں کھلنے کے بعد ناگزیر جھ کر شروع کیا تھا۔

اصلاحی تحریک کے نتائج

۱۔ پاپائے روم کی قیادت سے الگ کلیسے قائم ہوئے جنھیں پروٹسٹنٹ اصطلاح میں "انجیلی کلیسا" کہا جاتا ہے، اس لئے کہ وہ اپنی تعلیمات، انجیل مقدس سے حاصل کرتا ہے۔

۲۔ اس کلیسا کے سربراہ کے اقوال کو کتاب مقدس کا تقدس حاصل نہیں۔

۳۔ کلیسا کی قیادت وعظ و ارشاد اور ہدایت و نصیحت تک محدود ہے۔

۴۔ مردوں پر "مقدسین" کی نماز اور ان کے لئے شفاعت کی ممانعت اس لئے کہ "غفور" صرف خدا ہے۔

۵۔ نماز میں نہ سمجھ میں آنے والی زبان کا استعمال جائز نہیں۔

۶۔ رہبانیت جائز نہیں اس لئے کہ اس سے معصیت پیدا ہو سکتی، اور رجال دین کو خراب کر سکتی ہے۔

۷۔ کلیسا میں تصویریں اور ان کی عبادت ممنوع ہے۔

ایک اہم نکتہ

پروٹسٹنٹ کلیسا کی اصلاحات میں ان علمائے مسیحیت کے خیالات

قبول کر لئے گئے ہیں، جو کونسلوں کی نظر میں مردود و ملعون قرار دیئے گئے تھے، اس لئے اس کلیسا کو اصلاح کی خاطر یہ کچھ کرنا ناگزیر تھا کہ:

۱۔ سابقہ کونسلوں کے تمام فیصلوں پر نظر ثانی کرے اور پھر نیا فیصلہ لائے۔

۲۔ ان اسباب و علل کا پتہ چلائے جن کی وجہ سے علمائے مسیحیت حضرت مسیحؑ کے غائب ہونے کے بعد عقیدہ و عمل میں ایجادات کرتے رہے، اور کتاب مقدس سے رجوع کرنا ضروری نہیں سمجھا۔

۳۔ حضرت مسیحؑ کے لائے ہوئے دین کی تحدید و تجدید کریں۔

۴۔ انجیل اور ان کے مصنفین کی تاریخی حیثیت واضح کریں۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکے

یہاں سوال یہ ہے کہ وہ ایسا کیوں نہیں کر سکے؟ جس کا جواب یہ ہے کہ ڈاکٹر نظمی لوقا نے (جو اسلام پر ایک انسائیکلوپیڈیا تیار کرنا چاہتے ہیں اور اس کی ابتدا "محمد، رسالت اور رسول" سے کر چکے ہیں لکھا ہے کہ اصلاح عقیدہ کا صحیح بدل اسلام ہے، اور وہی انسان کے لئے قانون و شریعت بن سکتا ہے اس کے باوجود ان کو اسلام کی توفیق نہیں ہوئی، حالانکہ وہ بھی تلاش حق کے نام پر ہی بحث و تحقیق کر رہے تھے۔

اسی طرح ٹالسٹائے نے مسیحؑ کی الوہیت کا انکار کیا، اور کہا کہ پولس نے حضرت مسیحؑ کی تعلیم کو سمجھا نہیں بلکہ اسے اور بگاڑ دیا، اس نے کلیسا پر بھی الزام لگایا کہ اس نے اصل تعلیم پر بدعتوں کا اضافہ کر کے انھیں گدلا، اور خراب کر دیا لیکن اسے بھی اسلام کی توفیق نہیں ہوئی، اور تلاش حق میں عمداً یا سہواً ناکام ہی رہا۔

ہمیں انجیلی کلیسا سے بھی ایسی ہی توقع تھی، اس لئے کہ اس کی بنیاد ہی بغاوت

اور جذبۂ تحقیق پر تھی۔

البتہ فرانسیسی مصور اور فن کار ایٹین دینیہ اپنے تیز شعور اور طلب صادق کی بنا پر اسلام تک پہنچ گئے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ ان کے غیر معروف ہونے کے عہد کا نہیں، بلکہ فن کی پختگی کے زمانہ کا ہے، جب کہ دنیا کی تمام آرٹ گیلریوں میں ان کے فن پارے رکھے جا چکے تھے۔ انھیں خیال ہوا کہ ان کے قلم سے خدا کی ایک تصویر بھی نکلے۔ اس سلسلے میں انھوں نے کتب مقدسہ کا مطالعہ شروع کیا، اور ایک مسیحی ہونے کے ناطے انھوں نے انجیل سے ابتدا کی، لیکن انجیل کی پیش کردہ خدا کی تصویر انھیں کچھ بھائی نہیں، اس لیے کہ اس میں خدا کو ایک بوڑھے اور عاجز شخص کی شکل میں دکھایا گیا ہے جس کے چہرے پر جھریاں پڑی ہوئی ہیں۔ انجیل کے بعد انھوں نے توراۃ کا مطالعہ کیا تو اس میں خدا کی شکل یہ نظر آئی کہ گویا وہ ایک اژدھا ہے، جو دنیا کو ہمیشہ ڈستے رہنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد انھیں قرآن پڑھنے کی توفیق ہوئی لیکن عربی نہ جاننے کی وجہ سے وہ الجزائر گئے اور اپنی عربی درست کرلی، اور براہ راست قرآن کا مطالعہ کرنے لگے۔ قرآن میں سورۂ اخلاص سے ان کی فنی عبقریت کو خدا کا عرفان ہو گیا، اور انھوں نے الجزائر کی بڑی مسجد میں اپنے اسلام کا اعلان کردیا، جہاں انھوں نے یہ اقرار کیا کہ وہ کسی لالچ سے نہیں بلکہ اپنے مطالعہ کے ذریعہ اسلام کی تصدیق کر رہے ہیں۔

بہرحال ہمیں لوتھر اور کالون سے یہ امید تھی کہ وہ موسیو ایٹین دینیہ کی طرح حق پرست نہ ہوئے تو کم از کم ڈاکٹر نظمی لوقا یا [illegible] اور رینان کی طرح تو ہوتے جنھوں نے اپنی تلاش میں حقیقت کو پہچان لیا تھا اگرچہ اسے قبول نہیں کر سکے۔ اس لیے میں لوتھر وغیرہ کی اصلاح کو ناپختہ اصلاح کہتا ہوں، اس لیے اس نے اسے علمی رنگ اختیار نہیں کرنے دیا،

اور نہ علم و حقیقت کی صحیح خدمت کر سکا۔

اہل کتاب کون ہیں؟

قرآن کریم کی بہت سی آیات میں اہل کتاب کو مختلف انداز میں خطاب کیا گیا ہے: جیسے:-

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ۔	اے اہل کتاب تم کسی مذہب پر نہیں جب تک کہ توراۃ و انجیل اور اس کتاب پر نہ قائم ہو جاؤ جو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔
(مائدہ — ۶۸)	
يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ۔	اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آ چکا جو تمہیں بہت سی باتیں بتاتا ہے جنھیں تم کتاب میں سے چھپاتے ہو اور بہتوں کو معاف کرتا ہے۔ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور واضح کتاب آ چکی ہے۔
(المائدہ — ۱۵)	
يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا	اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول آ چکا

يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ وَّلَا نَذِيرٍ (المائدہ ـ ١٩)	جو حقائق تمہارے سامنے رکھتا ہے۔ رسولوں کی ایک مدت کے بعد تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت والا یا ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔
يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيلُ إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ (آل عمران ـ ٥)	اے اہل کتاب تم ابراہیم کے بارے میں کیوں حجت کرتے ہو جبکہ توراۃ و انجیل اس کے بعد اتاری گئی ہیں کیا تم اتنی بھی عقل نہیں رکھتے۔
يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (آل عمران ـ ٧٠، ٧١)	اے اہل کتاب! تم جان بوجھ کر خدا کی آیتوں کا انکار کیوں کرتے ہو؟ اے اہل کتاب! تم حق کو باطل میں کیوں ملا دیتے ہو اور حق کو جانتے ہوئے بھی کیوں چھپاتے ہو؟
يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللّٰهِ۔ (النساء ـ ١٧١)	اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو مت کرو اور اللہ کے بارے میں حق بات ہی کہو۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم صرف خدا کا رسول تھا۔
وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ۔ (العنکبوت ـ ٤٦)	اہل کتاب سے اچھے انداز سے بحث مباحثہ کرو، مگر ان میں سے وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا ہے۔
يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا	اے اہل کتاب! اس چیز کی طرف آجاؤ جو ہمارے تمہارے درمیان متفقہ اور مسلمہ ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں، اور کسی

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا
اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔
(آل عمران - ٦٤)

اس کا شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا رب نہ بنائے۔ اگر وہ نہ مانیں تو کہو کہ گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

یہاں یہ سوال ہے کہ یہ کون سے اہل کتاب ہیں، جن کو قرآن اس کثرت سے مخاطب کرتا ہے؟ لیکن جواب سے پہلے قرآن نے اہل کتاب پر جو حکم لگائے ہیں اسے بھی دیکھنا چاہئے، جیسے شرک کا الزام اس آیت میں لگایا گیا ہے:۔

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا اُمِرُوْا
اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ
يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى
اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ
الْكٰفِرُوْنَ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى
الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔
(التوبہ ۳۱-۳۳)

انھوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو خدا کو چھوڑ کر اپنا رب بنا لیا اور مسیح بن مریم کو، حالانکہ انھیں صرف خدائے واحد کی عبادت کا حکم تھا، جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کی ذات انکے شرک سے بلند و برتر ہے، وہ اللہ کا نور اپنی پھونکوں سے بجھا دینا چاہتے ہیں، حالانکہ اللہ اپنے نور کو مکمل کر دینا چاہتا ہے، اگرچہ کافر کتنا ہی برا کیوں نہ مانیں، وہ ذات جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے ہر دین پر غالب کر دے اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔

اہل کتاب پر دوسرا الزام کفر و خسران کا عائد کیا گیا ہے:۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى

اور یہود و نصاریٰ آپ سے اس وقت تک

حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ
هُوَ الْهُدٰى، وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ
بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ
مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ اَلَّذِيْنَ
اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ
اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔

(البقرۃ ۔ ۱۲۰، ۱۲۱)

راضی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ان کی ملت
کو نہ قبول کرلیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی ہدایت
ہی اصل ہدایت ہے، اور اگر علم و یقین کے بعد
بھی آپ ان کے خواہشات کی پیروی کریں گے
تو خدا کے مقابل آپ کا کوئی والی و مددگار نہ ہوگا
جن کو ہم نے کتاب دی اور وہ اسے اچھی طرح
پڑھتے ہیں وہی اس پر ایمان لاتے ہیں اور
جو اس سے انکار کریں تو وہی گھاٹے والے ہیں۔

ان آیات میں اہل کتاب کے بارے میں متعدد تصریحات ملتی ہیں کبھی انھیں مشرک، اور کبھی کافر اور کبھی اہل خسارہ کہا گیا ہے، اس لئے اس موقع پر اہل کتاب کی تعریف اور توضیح ضروری ہوگئی ہے، تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ قرآن کن لوگوں کو اہل کتاب کہتا ہے؟ اسی کے ساتھ تقابلی مطالعۂ مذاہب کے سلسلے میں ہم کس مسیحیت کا اسلام سے موازنہ کریں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام سے اس مشرقی مسیحیت کا (جو موازنہ روما اور قسطنطنیہ کے بجائے یروشلم اور انطاکیہ میں ظاہر ہوئی) کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں مرحوم استاذ عباس محمود عقاد کہتے ہیں:

> "یہ بات بدیہی ہے کہ جو شخص اسلام اور مسیحیت کے لئے مذاہب کے تقابلی مطالعہ کا طریقہ اختیار کرتا ہے، اسے مسیحیت کی دینی حالت بھی دیکھنی چاہیے اور دعوت اسلامی کے جزیرۃ العرب میں ظہور کو دیکھے۔ ایسے کسی آدمی کے لئے اسلام کو مسیحیت کی بدلی ہوئی شکل نہیں سمجھنا چاہئے۔"

وہ مزید کہتے ہیں:۔

" مسیحی عقائد کے نشیب و فراز کا جو حال بھی ہو اور عہد بہ عہد کی تبدیلیوں کا جو رنگ بھی ہو، لیکن اسلام سے موازنہ کے وقت جزیرۃ العرب اور اس کے آس پاس کی مسیحیت ہی کو سامنے رکھنا چاہیے[1]"

یہاں تین باتیں مدنظر رکھنی چاہئیں:۔

۱۔ قرآن اہل کتاب کی اصطلاح ان قوموں کے لئے استعمال کرتا ہے جن کے لئے خاص نبی آئے تھے۔

۲۔ قرآن، معاندین اہل کتاب کو مشرک، کافر، اور فاسق قرار دیتا ہے۔

۳۔ مذاہب کے تقابلی مطالعہ کرنے والے کو عرب کی مسیحیت کو سامنے رکھنا چاہیے جس کا ظہور اسلام سے سابقہ ہوا تھا۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ مسیحیت، کوئی مستقل بالذات دین نہیں بلکہ وہ دین موسوی کی توسیع اور اس کا تسلسل و استمرار ہے، اس لئے کہ حضرت عیسیٰ کو توراۃ و انجیل دونوں دی گئی تھیں، اور انھیں بعض احکام میں ترمیم و اضافہ کا اختیار دیا گیا تھا، بہر حال دونوں ہی کتابوں میں وہ یہودی قوم کے ساتھ ہی مخصوص نظر آتی ہے۔

یہ بات قرآن اور انجیل دونوں میں مسلم ہے، قرآن میں ہے:۔

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ۔ اور (عیسیٰ کو) بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ (آل عمران۔ ۴۹)

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل

---

[1] حقائق الاسلام ۴۹، ۵۰۔

إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا
بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ
(الصف ۶)

میں تمہارے لئے اللہ کا رسول ہوں اور اپنے سے پہلے آنے والی توراۃ کی تصدیق کرنے والا اور اپنے بعد آنے والے ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جس کا نام احمد ہوگا۔

انجیل میں ہے کہ "میں بنی اسرائیل کی کھوئی بھیڑوں کے لئے آیا ہوں[1]"

"اہل کتاب" کی تعریف سے پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ قرآن اپنے سے پہلے تمام کتابوں کو منسوخ قرار دیتا ہے، اور عقیدہ و شریعت کے بارے میں اپنے طور پر تفصیلات فراہم کرتا ہے:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ
وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ
كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ شَهِيدًا۔
(الفتح ۲۸)

وہ ذات جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے اور اللہ کی گواہی بہت کافی ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ
عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا۔
(الفرقان ۱)

بابرکت ہے وہ ذات جس نے قرآن اپنے بندے پر اتارا تاکہ وہ جہانوں کے لئے ڈرانے اور آگاہ کرنے والا بن جائے۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ
الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ
فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم

جو لوگ اس رسول اور نبی امی کی اتباع کرتے ہیں، جس کا ذکر اپنے یہاں توراۃ و انجیل میں پاتے ہیں وہ انھیں نیکی کا حکم دیتا اور برائی

---

[1] متی ۱۵ : ۲۲

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ
الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ
وَالْاَغْلٰلَ الَّتِىْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ
فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ
وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَيُّهَا
النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ
جَمِيْعًا الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ
الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔

(الاعراف ١٥٧، ١٥٨)

سے روکتا ہے اور ان کے لئے پاک چیزیں
حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور
ان کے کندھوں سے ان کے بوجھ اور
ان کی گردنوں کے طوق اتارتا ہے تو
جو اس پر ایمان لائے، اور اس کی عزت
و مدد کی اور اس کے ساتھ اتارے گئے
نور کی پیروی کی، وہی کامیاب ہیں،
آپ کہہ دیجئے کہ۔ اے لوگو! میں تم
سب کی طرف اس خدا کا رسول ہوں
جس کے لئے آسمان و زمین کی بادشاہت
ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی جلاتا
اور مارتا ہے تو اللہ اور اس کے امی رسول پر
ایمان لاؤ جو (خود بھی) اللہ اور اس کے
کلمات پر ایمان لاتا ہے، اور اس کے
نقش قدم پر چلو شاید کہ تم ہدایت پا جاؤ۔

اس طرح تمام انسان خدا کے دین ——— اسلام ——— میں داخل ہونے کے مخاطب ہیں، اور انسانوں میں وہ "اہل کتاب" بھی ہیں، جن کے پاس رسول اور کتابیں آئی تھیں، اس میں وہ بت پرست بھی ہیں جن کے پاس کوئی صحیح دین نہیں، وہ فلاسفہ بھی ہیں، جو الٰہی حقیقت تک نہیں پہنچ سکے، وہ عام انسان بھی ہیں جنھیں دین و

شریعت کا کوئی خاص شعور نہیں، اور اس طرح یہ دعوت ہر زبان، ہر رنگ و نسل، اور ہر ملک وملت کے انسانوں کے لئے ایک صلائے عام ہے۔

آغاز اسلام کے وقت مسیحی کونسلوں میں عقائد کی بہت معرکۃ الآرا بحثیں ہوئی تھیں، لیکن ہر کونسل کے ساتھ ہی، محرومین وملعونین کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اور نفرت وانتقام کی فضا بن رہی تھی، اور اس سب کے باوجود عقیدہ برابر مجہول اور گنجلک ہی رہا، گزشتہ تمہید کے بعد میرا خیال ہے کہ قرآن کے "اہل کتاب" وہ ہیں، جن کے پاس بعثت محمدی سے پہلے رسول اور کتابیں آئی تھیں، اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے مخاطب بھی بعثت محمدی کے پہلے کے لوگ تھے۔

اور جو لوگ بعثت محمدی کے بعد عیسائیت اختیار کریں گے وہ اہل کتاب کی فہرست میں داخل نہیں ہوں گے۔ اس طرح اس اصطلاح کا مقصود رسالت اسلامیہ سے پہلے کی آسمانی کتابیں رکھنے والی جماعتیں تھیں جن کے سامنے اسلام کی دعوت شروع ہوئی۔

آج کے مسیحی "اہل کتاب" نہیں بلکہ "اہل حرب" ہیں —— یہ میری ذاتی رائے ہے، اور یہ میری ان تحقیقات کا خلاصہ ہے، جنھیں میں نے انڈونیشیا کی مجلس دعوت اسلامی (مسجد ازہر جاکرتا) کے لئے تیار کیا تھا، امید ہے کہ میری معروضات پر غور ہوگا، کیونکہ اس سے معاشرتی اور سیاسی زندگی متاثر ہو سکتی ہے، اور ہر فکر ونظریہ کو جذبات سے زیادہ پہلے حقائق کی میزان میں تول لینا چاہئے، میرا خیال ہے کہ "اہل کتاب" کی تعریف انہی لوگوں پر ختم ہو گئی جنھوں نے رسولوں سے براہ راست تعلیم وتلقین حاصل کی تھی، اور اس کا خاتمہ اس طرح بھی ہو گیا کہ تمام انسانوں کو اسلام لانے کی دعوت دی گئی، اور اہل کتاب کے ایمان لانے کی وجہ سے بھی یہ تعریف ختم ہو گئی، اس لئے اب

میرے سامنے وہ "اہل کتاب" نہیں جنھیں میں قرآن کے الفاظ میں مخاطب کرسکوں کہ "یَا اَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ" الخ۔ اب جو جماعت موجود ہے وہ مشرکین کی ہے، جن کے مذہب کے بارے میں قرآنی فیصلہ ہے کہ خدا کا رسول تمام ادیان پر دینِ حق کو غالب کرنے کے لئے آیا ہے۔

اہل کتاب کے بارے میں قرآن کا موقف

قدر و اعتراف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ، وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ، اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ، وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا

جنھیں ہم نے اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ بھی ایمان لا رہے ہیں، اور جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے وہ ہمارے رب کی طرف سے آیا ہوا حق ہے جس پر ہم پہلے بھی ایمان لائے تھے، یہ لوگ دگنا اجر دیئے جائیں گے اپنے صبر کے بدلے میں وہ برائی کو اچھائی سے دفع کرتے ہیں اور جو ہم نے انھیں دیا ہے اس میں سے

وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ۔

(القصص ۵۲ - ۵۵)

خرچ کرتے ہیں، اور جب لغو باتیں سنتے ہیں تو ان سے دامن بچاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، تم پر سلامتی ہو ہم جاہلوں کو پسند نہیں کرتے۔

ذَالِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ، وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ، وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ، فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَالِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ۔

(المائدہ ۸۲ - ۸۵)

یہ اس وجہ سے ہے کہ اہل کتاب میں عابد و زاہد لوگ بھی ہیں جو تکبر نہیں کرتے اور جب رسول پر اتری ہوئی بات سنتے ہیں تو آپ ان کی آنکھوں کو اشکبار دیکھیں گے حق کے پہچاننے کی خوشی میں وہ کہتے ہیں کہ اے رب ہم ایمان لائے ہمیں بھی اس کے گواہوں میں لکھ لیجئے اور ہم کیوں نہ اللہ پر ایمان لائیں اور جو ہمارے پاس حق آیا ہے ہم اس کے آرزو مند ہیں کہ ہمارا رب ہمیں صالحین کے ساتھ جنت میں داخل کرے گا تو اللہ نے ان کی طلب کے مطابق انھیں جنتوں میں داخل کیا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور نکوکاروں کا یہی بدلہ ہے۔

۲۔ معاندین کو تنبیہ

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ إِسْرَآئِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔

(الاحقاف ۱۰)

تمہارا کیا خیال ہے اگر یہ کتاب خدا کی طرف سے ہو اور تم اس کا انکار کردو حالانکہ بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس جیسی چیز کی گواہی دی اور اس پر ایمان لایا اور تم نے تکبر سے کام لیا، اللہ یقیناً ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ۔

(البقرہ ۱۴۶۔۱۴۷)

جنھیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اس نبی کو اتنا ہی پہچانتے ہیں، جتنا اپنے بیٹوں کو ان میں سے ایک فریق حق کو جانتے ہوئے بھی چھپاتا ہے، حق آپ کے رب کی طرف سے ہے تو آپ شک کرنے والوں میں نہ ہوئیے۔

۳۔ عقیدۂ الوہیت کی تصحیح

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ

انھوں نے کفر ہی کیا جنھوں نے کہا کہ اللہ،

هُوَ الْمَسِيحُ بْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ
يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي
وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ
حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ
النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝
لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ
ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا إِلٰهٌ
وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ
لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ
أَلِيمٌ ۝ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللّٰهِ
وَيَسْتَغْفِرُونَهُ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝
مَا الْمَسِيحُ بْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ
خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ
صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ
اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ
ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ۝ قُلْ أَتَعْبُدُونَ
مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ
ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيعُ
الْعَلِيمُ ۝ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا

مسیح بن مریم ہے، حالانکہ مسیح نے بنی اسرائیل
سے کہا کہ تم اس اللہ کی عبادت کرو جو میرا
بھی رب ہے اور تمہارا بھی، جو بھی اللہ کا
شریک ٹھہراتا ہے تو وہ اس پر جنت کو
حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا
اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا، ان
لوگوں نے بھی کفر کیا جو کہتے ہیں کہ اللہ
تین میں کا تیسرا ہے حالانکہ خدائے واحد
کے سوا کوئی خدا نہیں اور اگر وہ اپنے
کہنے سے باز نہیں آتے تو ان کے کفر کرنے
والوں کو ضرور دردناک عذاب پکڑے
گا، وہ اللہ سے توبہ اور معافی کیوں نہیں
چاہتے، اللہ تو بڑا غفور رحیم ہے مسیح بن
مریم تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے بھی
رسول گزر چکے ہیں ان کی ماں بھی صداقت
شعار تھیں وہ دونوں (عام انسانوں ہی
کی طرح) کھانا کھاتے تھے، آپ دیکھئے
ہم ان کے لئے کس طرح آیات کی وضاحت
کرتے ہیں، دیکھئے کہ وہ کس طرح الٹے پاؤں

فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ۔

(المائدہ ۷۶-۷۷)

پھرے جاتے ہیں، آپ کہئے کہ کیا تم خدا کے سوا اس کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے کسی نفع نقصان کا نہیں، اور اللہ ہی سننے اور جاننے والا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق مبالغہ نہ کرو اور گمراہ قوم کی اتباع نہ کرو جنے بہت سے دوسروں کو بھی گمراہ کیا ہے، اور وہ سیدھے راستے سے بہک گئے۔

وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ۔

(التوبہ ۳۰)[1]

نصاریٰ نے کہا کہ مسیح ابن اللہ ہے، یہ صرف ان کے منہ کی باتیں اور منہ زوری ہے اور وہ اپنے سے پہلے کے کافروں جیسی باتیں کر رہے ہیں ان پر اللہ کی مار ہو کہ کس طرح بہکائے جاتے ہیں۔

حقیقتِ عیسیٰؑ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ

مسیح صرف ایک رسول تھے پہلے بھی کتنے

---

[1] تفسیر فی ظلال القرآن" میں اس مقام کی تفسیر دیکھی جائے، نیز ڈاکٹر عبدالحلیم محمود کی "التفکیر الفلسفی فی الاسلام" کے صفحات ۱۷-۵۷

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ
صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلَانِ الطَّعَامَ اُنْظُرْ
كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ
اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ۔

(المائدہ ۷۵)

رسول گزر چکے اور ان کی ماں صادق القول تھیں وہ دونوں (بشر ہونے کے ناطے) کھانا کھاتے تھے، دیکھئے ہم ان کے لئے آیات کی کس طرح تشریح کرتے ہیں، پھر یہ بھی دیکھئے کہ وہ کیسے بہکائے جاتے ہیں۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ
خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

(آل عمران ۵۹)

عیسیٰ کی مثال اللہ کے یہاں آدم کی مثال ہے جس کو مٹی سے بنایا پھر اس سے کہا ہو جا تو ہو گیا۔

حضرت عیسیٰؑ کا موقف

اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ
اَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ
اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ
مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ
بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ
تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ
نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ
مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ

جب اللہ نے کہا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو؟ مسیح نے کہا پاک ہے آپ کی ذات میری یہ جرأت نہیں کہ میں وہ کہتا جس کا مجھے حق نہ تھا، اگر میں نے ایسا کہا ہے تو آپ اسے جانتے ہوں گے آپ میرے جی کا حال جانتے ہیں، لیکن میں آپ کے دل کا حال نہیں جانتا، آپ ہی غیبوں کے

أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ
عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ
فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ
عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ۔

(المائدہ ۱۱۶ - ۱۱۷)

جاننے والے ہیں، میں نے ان سے وہی کہا جسکا آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ اس خدا کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور میں جب تک ان میں رہا اس کا گواہ رہا اور جب آپنے مجھے وفات دی تو آپ ہی ان پر نگراں تھے اور آپ ہر شے پر گواہ ہیں۔

قرآن اور حضرت مریمؑ

اللہ تعالٰے کا ارشاد ہے:

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّأَنْبَتَهَا
نَبَاتًا حَسَنًا وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ
عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا
رِزْقًا قَالَ يٰمَرْيَمُ أَنّٰى لَكِ هٰذَا
قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ
يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

(آل عمران ۳۷)

مریم کے رب نے اسے اچھے انداز سے قبول کرلیا اور اسے اچھی نشوونما دی اور اس کی کفالت زکریا نے کی جب بھی زکریا محراب میں اس کے پاس جاتا اس کے پاس کوئی نعمت دیکھتا اور کہتا اے مریم! تمہارے پاس یہ کہاں سے آئی؟ وہ کہتی کہ اللہ کے پاس سے! اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ
وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِينَ

اور جب ملائکہ نے کہا اے مریم! اللہ نے تجھے تمام جہانوں کی عورتوں میں منتخب کیا

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۔

(آل عمران ۴۲-۴۳)

ہے اے مریم! اپنے رب کی ہو جا اور سجدہ اور رکوع کر رکوع کرنے اور جھکنے والوں کے ساتھ۔

شرائع سابقہ کا ابطال

قرآن حکیم کا بیان ہے:

هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔

(التوبہ ۳۳)

وہ ذات جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے اگرچہ مشرک اسے کتنا ہی کیوں نہ ناپسند کریں۔

هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔

(الفتح ۲۸)

وہ ذات جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر اس لئے بھیجا تاکہ وہ اسے ہر مذہب پر غالب کر دے اور اللہ بطور گواہ کے بہت کافی ہے۔

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ

اور ہم نے آپ پر کتاب ٹھیک ٹھیک اتاری جو اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرنے والی اور اس پر نگراں ہے تو آپ ان کے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ کیجئے اور ان کی خواہشات کی اتباع اپنے پاس آئے ہوئے

مِنَ الْحَقِّ۔ (المائدہ ۴۸)

حق کو چھوڑ کر نہ کیجیے۔

حضرت عیسیٰؑ کی رسالت بنی اسرائیل تک محدود تھی

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:

وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنِّیْ
قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ۔
(آل عمران ۴۹)

اور مجھے (عیسیٰ کو) بنی اسرائیل کے لئے
رسول بنا کر بھیجا ہے، اور یہ کہ میں تمہارے
پاس تمہارے رب کی نشانی لے کر آیا ہوں۔

اہل کتاب کے کچھ جرم

قرآن مجید کا بیان ہے:

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ وَقَدْ کَانَ
فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلٰمَ اللّٰہِ ثُمَّ
یُحَرِّفُوْنَہٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْہُ وَھُمْ
یَعْلَمُوْنَ۔ (البقرہ ۷۵)

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری بات مانیں گے
حالانکہ ان کا ایک گروہ خدا کا کلام سنتا تھا
اور سمجھنے کے بعد بھی اس میں دانستہ تحریف
و تبدیلی کرتا تھا۔

وَمِنَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا سَمّٰعُوْنَ
لِلْکَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ لَمْ
یَاْتُوْکَ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِہٖ
یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ ھٰذَا فَخُذُوْہُ
وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْہُ فَاحْذَرُوْا۔۔۔۔۔

اور یہودیوں میں سے جاسوسی کرنے والے
جھوٹ کہنے کے لئے اور دوسری جماعت
کے جاسوس ہیں، جو آپ تک نہیں آئے
کلمات کو ہٹا دیتے ہیں، ان کی جگہ سے،
کہتے ہیں اگر تمہیں یہ ملے تو لے لو اور نہ ملے تو بچو

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ۔ (المائدہ ۴۱ - ۴۲)

وہ جھوٹ بولنے کے لئے کان لگا کر سننے والے اور سود کو رغبت سے کھانے والے ہیں اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ فیصلہ کر دیں یا ان سے اعراض کریں۔

قرآن کی نظر میں اہل کتاب اور مسلمانوں کا اتحاد

قرآن کی تصریحات یہ ہیں؛

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ۔ (البقرہ ۱۲۰)

یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ ان کی ملت کو ماننے نہ لگیں۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ۔ (البقرہ ۱۴۵)

اور اگر آپ اہل کتاب کو ہر آیت و نشانی دکھا دیں تب بھی وہ آپ کے قبلہ کو نہ مانیں گے اور نہ آپ ان کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور نہ ان میں کا ایک فرقہ دوسرے کے قبلہ کو ماننے والا ہے۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ۔ (البقرہ ۱۰۹)

بہت سے اہل کتاب خواہش کرتے ہیں کہ کاش وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کافر بنا دیتے، وہ حق کے ان پر ظاہر ہو جانے کے بعد بھی ایسا حسد کی وجہ سے سوچتے ہیں۔

قرآن اور مسلمانوں اور اہل کتاب کے تعلقات

ذہن و فکر کی سطح پر مسلمانوں کو یہ ہدایات ہیں:

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ	اہل کتاب سے مجادلہ و مناظرہ شائستہ
هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ	طریقے سے کرو مگر ان میں سے وہ جنھوں نے
وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا	ظلم کیا، اور کہو کہ ہم ایمان لائے اس کتاب
وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ	پر جو ہمارے اور تمہارے لئے اتری ہے
وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔	اور ہمارا تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اسی
(العنکبوت ۴۶)	کے ماننے والے ہیں۔

عام تعلقات کے بارے میں مسلمانوں کو یہ طریق کار بتایا گیا:

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ	اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا جو تم
يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ	سے دین کے بارے میں نہیں جھگڑتے اور
مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا	نہ انھوں نے تم کو تمہارے گھروں سے
اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔	نکالا ہے کہ تم ان سے نیکی اور انصاف کا
(الممتحنہ۔ ۸)	معاملہ کرو اللہ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے

اس طرح معلوم ہوا کہ اہل کتاب سے خوشگوار تعلقات کی دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ وہ ہم سے دینی جنگ میں نہ مبتلا ہوں دوسرے یہ کہ وہ ہم پر کوئی زیادتی نہ کر چکے ہوں، اور اگر وہ یہ شرطیں پوری نہ کریں اور دعوت اسلامی کے لئے رکاوٹ بن جائیں تو قرآن کا یہ حکم ہے:

إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ۔

(الممتحنہ ۹)

وہ صرف ان لوگوں کے بارے میں جو دین کے سلسلے میں تم سے لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے کی سازش کی، اسی بات سے روکتا ہے کہ تم ان کے دوست بنو اور جو ان کا دوست بنتا ہے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔

سیاسی تعلقات

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا فَرِيقًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ۔ (آل عمران ۱۰۰)

اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب میں سے کسی فریق کی اطاعت کروگے تو وہ تمہیں ایمان کے بعد پھر کافر بنا دیں گے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ۔

(آل عمران ۲۸)

مومن کافروں کو مسلمانوں کو چھوڑ کر دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرتا ہے اللہ سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، مگر یہ کہ تم کافروں سے بچنے کے لئے ایسا کرو، اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اسی کی طرف جانا ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ

آپ اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانے والی قوم کو اس سے دوستی کرتے نہیں پائیں گے

وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوٓا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ
أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰٓئِكَ
كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ
بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي
مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ
اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَٰٓئِكَ حِزْبُ
اللَّهِ أَلَآ إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

(المجادلہ ۲۲)

جو خدا اور رسول کی مخالفت کرتا ہے، اگرچہ وہ ان کے باپ، بیٹے، بھائی، یا ان کا خاندان ہی کیوں نہ ہو، یہی لوگ ہیں کہ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو نقش کر دیا ہے، اور اپنی روح سے ان کی مدد کی ہے اور انھیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے یہی خدا کا گروہ ہے اور یقیناً خدا کا گروہ ہی کامیاب ہونے والا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ
اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ
أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

(المائدہ ۵۷)

اے مومنو! انھیں دوست نہ بناؤ جنھوں نے تمہارے دین کو ہنسی مذاق بنا لیا ہے جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں، اور نہ کفار کو دوست بناؤ، اور اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ
بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي
الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ

(الانفال ۷۳)

اور جو کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اگر تم ایسا نہیں کرتے تو زمین میں بڑا فتنہ و فساد ہوگا۔

فوجی اور جنگی معاملات

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۔ (البقرہ ۱۹۰)

اور اللہ کے راستے میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو کہ اللہ ایسوں کو پسند نہیں کرتا۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ (التوبہ ۲۹)

جو اہل کتاب میں سے اللہ اور یوم آخر پر ایمان نہیں لاتے، اور نہ اللہ ورسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام مانتے ہیں اور نہ دین حق پر چلتے ہیں، تو ان سے اس وقت تک لڑو جب تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے محکوم ہو کر جزیہ نہ دیں۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ۔ (الانفال ۶۰)

اور ان کے لئے جو قوت تم تیار کر سکتے ہو کرو اور گھوڑوں کو پال کر جس سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو ڈرا سکو اور ان کے علاوہ دوسرے (منافقین کو بھی) جنھیں تم نہیں جانتے لیکن اللہ انھیں جانتا ہے، اور جو تم خدا کی راہ میں خرچ کروگے وہ تمہیں ملے گا اور تم ظلم نہیں کئے جاؤگے۔

مَاكَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى
حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ
عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔

(انفال ٦٧)

کسی نبی کو زیب نہیں دیتا کہ اس کے پاس
قیدی ہوں اور وہ زمین میں خون نہ بہائے
تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ تو
آخرت کو چاہتا ہے، اور اللہ غالب
حکمت والا ہے۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِى الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ
مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ وَاِمَّا
تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ
عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ

(الانفال ٥٧-٥٨)

اگر آپ انھیں جنگ میں پائیں تو انھیں ایسی
سزا دیں کہ ان کے پیچھے والے بھاگ کھڑے
ہوں شاید انھیں سمجھ آئے اور اگر آپ
کسی قوم کی بدعہدی سے ڈرتے ہیں تو اپنا
عہد بھی ختم کر دیجیے اور جواباً اسے لوٹا
دیجیے، اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ
وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فَاِنِ
انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرٌ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
مَوْلٰكُمْ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ

(الانفال ٣٩-٤٠)

ان سے اس وقت تک لڑو جب تک کہ
فتنہ ختم نہ ہو جائے، اور صرف خدا ہی کا
دین نہ رہ جائے، اور اگر وہ رک جاتے ہیں
.... تو اللہ ان کے کیے کو جانتا ہے، اور
اگر وہ پیٹھ پھیرتے ہیں تو جان لو کہ اللہ
تمہارا مددگار ہے وہ کیا ہی اچھا مددگار
اور پشت پناہ ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا

یہ اس وجہ سے کہ جنھوں نے کفر کیا انھوں نے

الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا
الْحَقَّ مِن رَّبِّهِمْ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ
لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ
كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا
أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا
مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ
أَوْزَارَهَا ذَٰلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ
مِنْهُمْ وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ
وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَن
يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ۔

(محمد ۴،۳)

باطل کو مانا اور جو ایمان لائے انھوں نے
اپنے رب کے نازل کردہ حق کو مانا ایسے
ہی اللہ لوگوں کے لئے مثالیں دیتا ہے
تو جب تم کافروں کے مقابلہ پر ہو تو
گردنوں کا مارنا ہے اور ان کے قتل کے
بعد مشکیں باندھو پھر اس کے بعد یا تو بطور
احسان رہا کرنا ہے یا فدیہ لینا ہے یہ
اس لئے ہے تاکہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے
اور اگر اللہ چاہے تو ان سے بدلہ لے لے
لیکن وہ تمہیں ایک دوسرے کے ذریعہ
آزمائش میں ڈالنا چاہتا ہے، اور جو لوگ
راہِ خدا میں شہید ہوئے ان کے اعمال
ضائع نہ ہوں گے۔

قُلْ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَنتَهُوا
يُغْفَرْ لَهُم مَّا قَدْ سَلَفَ وَإِن
يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ

(الانفال ۳۸)

آپ کافروں سے کہدیجئے کہ اگر وہ رک جاتے
ہیں تو ان کے گزشتہ گناہ معاف کردیئے
جائیں گے اگر دوبارہ مرتکب ہوں گے تو
پہلوں کی مثال گزر چکی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ
كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ

اے مومنو! جب تم کفار کے مقابل ہو جاؤ
تو ان کو پیٹھ نہ دکھانا اور جو اس دن انھیں

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا
مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ
فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ
جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ

پیٹھ دکھا دے گا (الا یہ کہ کسی جنگی حیلہ کے لئے
یا کسی جماعت سے ملنے کے لئے وہ ایسا
کرے) تو وہ اللہ کے غضب کا مستحق ہوگیا
اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور کیا ہی
برا ٹھکانا ہے۔

(الانفال ۱۶)

اہل کتاب سے متعلق مسلمانوں کو یہ ہدایات تھیں، اور اگر ہم فرض کر لیں کہ انڈونیشیا کے مسیحی بھی اہل کتاب ہیں، تو ہمیں اسلامی ثقافت کے علمبردار علماء سے یہ کہنا ہے کہ وہ کچھ مسلمانانِ انڈونیشیا کے اس فیصلے پر اظہار خیال کریں جس کے روسے کمیونزم اور مسیحیت کے ساتھ تعاون کو جائز کہا گیا ہے، تاکہ مسلم نوجوانوں کے ذہنوں سے بے پروا مذہبی اور سیاسی لوگوں کے اثرات ختم کئے جا سکیں، اس بحث کا خاتمہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مبارک احادیث پر کیا جاتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لیوشکن
ان ینزل فیکم ابن مریم
حکما مقسطا فیکسر الصلیب
ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ[1]
ویفیض المال حتی لا یقبلہ
احد حتی تکون السجدۃ

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری
جان ہے کہ وہ زمانہ قریب ہے، جب
ابن مریم تمہارے درمیان عادل حکومت
قائم کریں گے صلیب توڑیں گے، خنزیروں کو
قتل کریں گے، جزیہ ختم کریں گے مال کی اتنی
کثرت ہوگی کہ کوئی اسے قبول نہیں کرے گا

---

[1] جزیہ ختم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام یا تلوار کا حکم ہوگا، جزیہ قبول نہیں ہوگا۔

الواحدة خيرا من الدنيا ومافيها[1]

اس زمانے میں ایک سجدہ دنیا ومافیہا سے بہتر ہوگا۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ:

قال رسول الله صلے الله عليه وسلم لا تزال طائفة من امتي يقاتلون على الحق ظاهرين الى يوم القيامة فينزل عيسى بن مريم فيقول اميرهم تعال صل بنا فيقول لا: ان بعضكم على بعض امراء تكرمة الله تعالى لهذه الامة۔[2]

رسول اللہؐ نے فرمایا میری امت کی ایک جماعت برابر حق کے لئے جنگ کرتی رہے گی اور قیامت تک غالب رہے گی، پھر عیسی بن مریمؑ نازل ہوں گے تو مسلمانوں کی جماعت کا امیران سے کہے گا آیئے ہماری نماز کے امام بنئے تو فرمائیں گے نہیں بلکہ تمہی ایک دوسرے کے امیر ہو۔ یہ اس امت کے لئے اللہ تعالےٰ کا اعزاز ہوگا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

انا اولى الناس بعيسى بن مريم فى الدنيا والآخرة والانبياء اخوة لعلات أمهاتهم شتى ودينهم واحد۔[3]

میں تمام لوگوں میں عیسی بن مریم سے سب سے زیادہ قریب ہوں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور تمام انبیاء باپ شریک بھائی ہیں، جن کی مائیں (شریعتیں) مختلف ہیں لیکن ان کا دین ایک ہے۔

---

[1] مالک وبخاری ومسلم وابوداؤد۔ [2] مسلم [3] بخاری

چند افکار و خیالات

غیر جانب دارانہ طرزِ تحقیق

اس کتاب کے لکھنے کے بعد مجھے ایک دوست کا خیال آیا جو ازہر سے یہودیت پر ریسرچ کرنا چاہتے تھے، اور بہت متحیر تھے، ان کی حیرانی کی وجہ یہ تھی کہ آج کی سیکولر یونیورسٹیاں بحث میں "دین" کے معاملے میں بھی غیر جانبداری کی طالب ہوتی ہیں، اور چاہتی ہیں کہ طالب علم کی تحقیق پر اس کے عقیدے کی کوئی پرچھائیں بھی نہ دکھائی دے، لیکن میرا دوست ایک دیندار نوجوان اور دین اس کے قلب و نظر اور ذوق و وجدان میں سرایت کئے ہوئے تھا، اور اس طرح اس کی پوری زندگی دینداری کا نمونہ تھی، اب وہ اپنی دینداری اور دین پسندی سے کیسے کنارہ کشی کر لیتا! چنانچہ انھوں نے اپنا مقالہ چھوڑ کر ایک قدیم مسلم صوفی حکیم ترمذی پر اپنا مقالہ لکھا۔

مسیحیت پر مسیحی علماء و مورخین سے بحث کرنے اور یہ دکھانے کے بعد کہ مسیحیت اپنی ربانی شکل سے ہٹ کر ذاتی اور قومی رنگ میں کس طرح آگئی اور کس طرح انجیل کو

بھلا یا گیا۔ مجھے اپنے دوست کی دینی پختگی کی قدر ہوئی، اور یہ تمنا ہوئی کہ کاش مسیحی بھی اسی دینی استقامت کا مظاہرہ کرتے، اور مسیحیت پر غیر جانبدارانہ تحقیق کے ذریعہ اصحاب ضمیر کو بیدار کرتے اور غلطیوں کے ارتکاب کی راہ بند کر دیتے۔

اسی کے ساتھ یورپ کی "غیر جانبدارانہ" تحقیق کی خرابیاں بھی میرے سامنے آئیں اور جس کے پردے میں گولڈ زیہر وغیرہ نے علمی اور تحقیقی جرائم کرنے کا بہانہ حاصل کر لیا ہے، اس لئے خیال ہوتا ہے کہ یورپ اس غیر جانبداری کو ہوا دے کر مسلم نوجوانوں کو ان کے دین سے بیزار کرنا چاہتا ہے، لیکن خود یورپی علماء کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی تحقیق میں اس ناجانبدارانہ طریقہ کو نہ ملحوظ رکھتے ہیں، اور نہ ان کا مقصد حق طلبی ہوتا ہے۔ بلکہ ان کی تحقیقات کے پیچھے ایک خائن اور پر فریب روح چھپی ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ اپنا مطلب ثابت کرنے کے لئے صریح نصوص کی غلط تاویل سے بھی باز نہیں آتے جیسے گولڈ زیہر کتاب "مذاہب تفسیر" میں ایک نص) سے یہ معنی نکالتا ہے کہ احادیث بہت بعد میں وضع کی گئی ہیں، اور وکیع کے بارے میں لکھتا ہے کہ وہ زیاد بن عبداللہ کو ان کے شرف کے باوجود جھوٹا کہتے ہیں، حالانکہ یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں کہ ایک آدمی معاشرے میں شریف بھی ہو اور جھوٹا بھی اس الزام کے جواب میں ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے اپنی کتاب "السنة ومکانتها فی التشریع الاسلامی" میں وکیع کی اصل عبارت پیش کی کہ "قال وکیع وھو ـــــ ای زیاد بن عبد اللہ ـ اشرف من ان یکذب" یعنی وکیع کا کہنا ہے کہ زیاد بن عبداللہ اس بات سے بہت بلند ہیں کہ وہ کذب بیانی سے کام لیں۔

لیکن گولڈ زیہر نے عربی سے ناواقفیت یا دانستہ غلط بیانی سے کام لے کر

نص کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

اس رسالہ کی تحریر کے وقت یہ خیال بھی شدت سے ذہن میں آیا کہ آزادانہ تحقیق کا تو مسیحی اداروں نے، اور احترام علم کا کلیسا کے آدمیوں نے خصوصاً پاپائے روم کے دینی و دنیوی اختیارات حاصل کر لینے کے بعد تقریباً خاتمہ ہی کر دیا، اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں اپنے نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سپرد کی جا سکتی ہے؟

مذاہب کا تقابلی مطالعہ

اسی طرح مغرب و مشرق میں آج کل "مذاہب کے تقابلی مطالعہ" کی پر فریب اصطلاح چلی ہوئی ہے، اس پر مجھے خیال آیا کہ قرآن مختلف "ادیان" کا وجود ہی نہیں تسلیم کرتا وہ تو صرف ایک ہی دین کو اصل اور دین حق سمجھتا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ	اور آپ سے پہلے جو رسول بھیجے انھیں یہی
إِلَّا نُوْحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا	وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں اس لئے
فَاعْبُدُوْنِ۔ (الانبیاء ۲۵)	میری ہی عبادت کرو۔
وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ	اور جو رسول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے تھے
رُّسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ	ان سے پوچھ لیجئے کہ کیا اللہ کے سوا ہم نے
اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ۔ (الزخرف ۴۵)	اور خدا بھی بنائے تھے کہ جن کی پوجا کی جائے۔
إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ وَمَا	دین حق اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور
اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ	اہل کتاب نے اختلاف علم آجانے کے بعد

مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ
يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ
الْحِسَابِ ۔ (آل عمران ۱۹)

صرف بغاوت کے جذبے سے کیا اور جو
اللہ کی آیات کا انکار کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ
بہت جلد حساب لینے والا ہے ۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ؕ وَمَآ
اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ
الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ
(البینہ ۴-۵)

اہل کتاب نے اختلاف نہیں کیا مگر دلیل
واضح (قرآن) آنے کے بعد حالانکہ انہیں
صرف اللہ کی عبادت کا حکم ہوا تھا اسی کے
لئے دین کو خالص کر کے اور ابراہیمی ہو کر
اور یہ کہ نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ دیں اور
یہی دین ہے صحیح اور راست لوگوں کا ۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ
مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا
وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ قُلْ اٰمَنَّا
بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ
عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ
وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ
مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ
رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ
وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ، وَمَنْ يَّبْتَغِ
غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ

کیا اللہ کے دین کے سوا چاہتے ہیں حالاں کہ
خوشی یا ناخوشی سے زمین و آسمان کی ہر چیز
سرخمیدہ ہے اور اسی کی طرف لوٹیں گے
کہیے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر
جو ہم پر اترا ہے اور جو ابراہیم، واسمٰعیل،
اسحاق، یعقوب اور اسباط پر اترا ہے اور
موسیٰ و عیسیٰ اور دوسرے نبی اپنے رب کی
طرف سے دیئے گئے ہم ان میں سے کسی
کے درمیان تفریق نہیں کرتے، اور ہم اللہ
کے تابع حکم ہیں اور جو اسلام کے علاوہ کوئی

وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔

(آل عمران ۸۳-۸۵)

دین چاہتا ہے تو اس کی طرف سے وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ والوں میں سے ہوگا۔

وَشَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ، وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ......

وَإِنَّ الَّذِينَ أُورِثُوا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٍ۔

(الشوریٰ ۱۳-۱۴)

اور تمہارے لئے وہ دین مقرر کیا جس کی نوح کو وصیت کی تھی اور جسے آپ پر نازل کیا ہے اور جسے ابراہیم اور موسیٰ و عیسیٰ کو بتایا تھا کہ دین کو قائم کرو اور اس میں اختلاف نہ کرو، مشرکین پر وہ بھاری ہے، جس کی طرف انھیں بلاتے ہیں، اللہ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، جس کو چاہتا ہے، اور اسے اپنی راہ دکھا دیتا ہے، جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے، اور غیر مسلم علم کے آجانے کے بعد ہی مختلف فرقوں میں بٹ گئے آپس میں سرکشی کے، اور جو لوگ ان کے بعد کتاب دیے گئے وہ اس دین کے بارے میں شبہ میں ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

آیات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ قرآن میں اس کا کوئی اشارہ نہیں کہ یہاں کئی ادیان ہیں، چنانچہ قرآن کے مطابق تمام انبیاء اسی لئے آئے کہ لوگ خدا کی عبادت کریں، سورۂ شعراء میں بھی اس وحدتِ دین کی مکمل تصویر دکھائی گئی ہے

پھر اس صورت میں "ادیان" کے مقابلہ کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے، اور اگر ایسا کیا جائے تو سوا گمراہی کے اور کیا ہاتھ آسکتا ہے؟ وھل بعد الحق الا الضلال۔؟

اس لئے میں اس عنوان کا سخت مخالف ہوں اور اسے مسلم نوجوانوں کے لئے ایک "علمی سازش" سمجھتا ہوں، جسے گمراہ کن اکیڈمیوں نے مسخ شدہ مذاہب اور ثقافتوں کو رواج دینے کے لئے ایجاد کیا ہے۔

چنانچہ میں نے جنوبی سماٹرا کے شہر پالمبانگ کی یونیورسٹی کے تھیالوجی ڈپارٹمنٹ (شعبۂ دینیات) میں اس عنوان کو ختم کر کے مسلم مسیحی جیسے ایتین دینیہ یا غیر مسلم مسیحی جیسے ڈاکٹر نظمی لوقا کے بیانات کی تحقیق کا شعبہ قائم کر دیا تھا، اس لئے کہ علمی و تاریخی طور پر ہمارے سامنے متعدد ادیان کا کوئی وجود نہیں، اور دین واحد صرف اسلام ہے۔

صِبۡغَةَ اللّٰہِ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰہِ .... یہ اللہ کا رنگ ہے اور ....
صِبۡغَةً (البقرہ۔ ۱۳۸) اس سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے؟

مذہبی رواداری کے دعوے

محض توحید کے اقرار کی پاداش میں پادری اریوس اور اس کے ساتھیوں کو ان کے عہدوں سے محروم کر دیا گیا اور اس کے بعد کلیسا نے محروم کرنے کا یہ طریقہ اپنے ہر مخالف کے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا، بادشاہ، وزرا، اور علما سبھی اس کی زد میں لائے گئے، اور کلیسا نے تفتیش کے ادارے بھی قائم کئے تاکہ ان کے

ذریعہ اپنے مخالفین کا پتہ لگا کر انھیں زندہ جلایا جائے، یا انھیں زندگی کی سہولتوں سے محروم کر دیا جائے، خود صلیبی جنگوں سے بھی ظالم مغربی کلیسا اور مظلوم شرقی کلیسا کی باہمی عداوت صاف ظاہر ہو چکی ہے۔

پوپ کے کلیسا نے پروٹسٹنٹوں کو آگ میں جلایا اور ان کا ایک لیڈر کیتھولک سے لڑائی میں مارا گیا۔

پوپ پال کو سا نے کیتھولک عورت کا نکاح آرتھوڈاکس اور پروٹسٹنٹ مرد سے ناجائز قرار دیدیا، ان اشاروں سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ مسیحی معاشرے میں تاریخی طور پر دینی رواداری کا کوئی وجود نہیں ملتا، لیکن انڈونیشیا کی مسیحی اقلیت "مذہبی رواداری" کا نعرہ برابر بلند کر رہی ہے، اور سیاسی حالات کی مجبوری سے مسلمان بھی اس نعرہ کا ساتھ دے رہے ہیں، اس کتاب کی تحریر کے وقت یہ خیالات میرے ذہن میں آئے:

۱۔ کیا بغیر مسیحی آبادی کے گرجوں کی تعمیر مذہبی رواداری ہے؟

۲۔ کیا مسیحی دوشیزاؤں کا مسلم نوجوانوں کو ورغلانا مذہبی رواداری ہے؟

۳۔ کیا کسی مسلمان عورت کا کسی مسیحی نوجوان سے شادی کے لئے اصرار مذہبی رواداری ہے؟

۴۔ دیہاتوں میں تاجروں اور کسانوں کو جو چاول، دودھ، اور قرضے دینا (خصوصاً قحط وغیرہ کے دنوں میں) کیا اسے مذہبی رواداری کہنا چاہیئے؟

۵۔ مسیحی لٹریچر، اسکول، فلم، ریڈیو کے گانے، اور ٹیلی وژن کا مسیحی پروپگنڈا بھی مذہبی رواداری کا ایک حصہ ہے؟

۶۔ مسلمانوں کی ایک جماعت مسیحیوں کے ساتھ تو رواداری برت رہی ہے مگر اس کے "ایک" عالم" نے "جماعتِ محمدیہ" پر لعنت کی اور کہا کہ وہ "شیطان کے ساتھ کام کرنے کے لئے تیار ہیں، مگر جماعت محمدیہ کے ساتھ اشتراک پر کسی طرح تیار نہیں" میں پوچھتا ہوں کہ وہ رواداری مسلمان آپس میں کیوں نہیں برت رہے ہیں، جبکہ وہ اسلامی اخوت کے رشتے میں بندھے ہوئے بھی ہیں۔؟

۷۔ نام نہاد علمائے اسلام (انڈونیشیا) کی طرف سے اس بات پر میری مخالفت کی جاتی ہے کہ میں "ماشومی" پارٹی کے ساتھ کام کرتا ہوں لیکن غیر ملکی پادریوں کے خلاف انھیں ذرا بھی غم و غصہ نہیں، وہ میرے نکالنے کا مطالبہ کرتے ہیں، لیکن مسیحیت کے مبلغوں کو کام کرنے کی کھلی چھوٹ ہے؟

اپنے ساتھ اس سلوک پر مجھے وہ حدیثیں یاد آئیں جو اس صورت حال کے مناسب تھیں، جیسے حضورؐ نے فرمایا:

یوشك ان تداعی علیکم الأمم	قریب ہے کہ تم پر قومیں اس طرح ٹوٹ پڑیں گی
کما تداعی الأکلة علی قصعتها قالوا	جیسے کھانے والے پیالے پر گرتے ہیں،
أمن قلة نحن یا رسول اللہ قال	نبیؐ نے سوال کیا کہ کیا یہ ہماری قلت
لا بل انتم یومئذ کثیر ولکنکم	تعداد کے سبب ہوگا؟ فرمایا نہیں بلکہ تم
غثاء کغثاء السیل ۔	ان دنوں بہت ہوگے، لیکن قوت کے
	لحاظ سے سیلاب کی جھاگ کی طرح ہوگے۔

اور دوسری حدیث میں حقوقِ مسلم کی اس طرح تاکید کی گئی تھی:

المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا
یسلمه ومن کان فی حاجة اخیه
کان الله فی حاجته ومن فرّج
عن مسلم کربة فرّج الله عنه
کربة من کرب یوم القیامة ومن
ستر مسلما ستره الله یوم القیامة

مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے وہ نہ اس پر
ظلم کرتا ہے نہ اسے کسی ظالم کے سپرد کرتا ہے
اور جو اپنے بھائی کی حاجت روائی میں ہوگا
تو اللہ اس کی حاجت روائی میں ہوگا اور جو
کسی مسلمان کی کوئی پریشانی دور کر دے گا
تو اللہ تعالیٰ قیامت کی پریشانیوں میں
سے کسی پریشانی سے اسے نجات دے گا
اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا
تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ
پوشی کرے گا۔

دینی رواداری وہ نہیں ہے، جو "نساکم" پارٹی کی سیاست سے متفق علماء کہتے ہیں، اور "لکم دینکم ولی دین" کی غلط تاویل کرتے ہیں، اور نہ رواداری کا مطلب یہ مذہبی آزادی ہے کہ آدمی روزانہ ایک دین بدلتا رہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آسمانی مذاہب کے ماننے والوں کی مذہبی آزادی ہے کہ وہ اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کر سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ دعوتِ اسلامی کے مزاحم نہ ہوں، ورنہ وہ اپنی آزادی کھو بیٹھیں گے۔[1] انڈونیشیا کے کچھ ایسے ہی "علماء" نے اس وقت اعلان کیا تھا کہ:

۱۔ وہ فلسفۂ رواداری کے ماتحت مسیحیت سے اشتراکِ عمل کر سکتے ہیں، حالانکہ

---

[1] ملاحظہ ہو تفسیر "فی ظلال القرآن" ۳۰/ ۲۷۰، ۲۷۴۔

یہ وہی مسیحیت ہے جو حق کو چھپاتی ہے، فضائل اخلاق کو مٹاتی اور انسانی شرافت کو پامال کرتی ہے۔

۲۔ انھوں نے مسیحیت کو اپنے تمام ہتھیاروں (غذا، شفاخانے، لٹریچر، اسکول اور عورتوں) کے ذریعہ تبلیغ کی اجازت دیدی۔

۳۔ انھوں نے مسیحی اثرات میں آکر قرآن کریم کی غلط تاویل وتفسیر کی تاکہ اس میں مروجہ "رواداری" دکھا سکیں۔

۴۔ وہ ایسے مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں، جو ان کی خود ساختہ "رواداری" کا ساتھ نہیں دیتے اور "نساکم" کی تحریک سے متفق نہیں۔ ایسے علماء سے میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ عیسائیوں کی طرح آپ ان کے درمیان اسلام کی تبلیغ کر رہے ہیں؟ اور اگر یہ نہیں تو وہ جید علماء کے لئے تبلیغ دین کا موقع کیوں نہیں فراہم کرتے۔

میرے دل میں اس قسم کے خیالات اکثر گزرتے رہتے ہیں کہ یہاں کے علماء کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ شیطان کے ساتھ کام کرنے کے لئے تیار ہیں، لیکن ڈاکٹر ہمکا اور متولی شلبی کے ساتھ وہ اس کے لئے تیار نہیں۔

غیر مسلموں سے تعلقات کی حد فاصل

اہل کتاب کے بعد غیر مسلموں میں مجوسی اور بت پرست آتے ہیں جن کے بارے میں ساتویں باب میں ہم قرآن حکیم کے احکام لکھ آئے ہیں، یہاں میرے دل میں وہ سوال آیا جسے مجھ سے انڈونیشیا کے مبلغ اسلام شیخ محمد ناصر نے پوچھا تھا کہ امن و جنگ کے زمانے میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تعلقات کے حدود کیا ہیں؟

مرحوم استاذ عباس محمود العقاد نے اپنی کتاب (حقائق الاسلام واباطیل خصومہ ۲۲۷، ۲۵۳) میں اس پر لکھا ہے، اسی طرح انھوں نے (الفلسفۃ القرآنیۃ ۱۰۸، ۱۱۴) میں بھی اس موضوع پر لکھا ہے، ڈاکٹر عبداللہ دراز نے ایک رسالہ "مبادئ القانون الدولی العام" کے عنوان سے لکھا تھا، شیخ محمود شلتوت نے "العلاقات الدولیۃ فی الاسلام" اور استاذ احمد ماہر نے "القتال فی الاسلام" کے عنوان سے اس موضوع پر بڑی فاضلانہ تحریریں پیش کی ہیں۔

اہل کتاب اور غیر مسلموں سے تعلقات

ایسے غیر مسلموں کے بارے میں سورۃ مجادلہ کی آیت ۲۸ علاقات کی نفی کرتی ہے کہ ان کو اسلام یا پھر جنگ کا الٹی میٹم دیا جائے گا، چنانچہ کمیونسٹوں، ماسکو سے پیکنگ تک کسی قسم کے تعلقات جائز نہیں۔

البتہ اہل کتاب جو آسمانی مذہب رکھتے ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ اسلامی حکومت میں امن و صلح سے رہتے ہیں، اور دعوت اسلامی کی راہ کے روڑے نہیں بنتے اور اقتصادی، فکری لحاظ سے کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کرتے تو وہ ہماری ہی طرح وہ اسلامی حکومت کے حق دار باشندے ہوں گے، اور ان کو پوری مذہبی آزادی ہوگی۔

لیکن اگر وہ بے جا تعصبات سے کام لے کر اسلام کی مخالفت کرتے ہیں، یا سیاسی طور پر اسلام کے لیے مشکلات پیدا کرتے ہیں، تو ان سے جنگ ضروری ہو جاتی ہے جیسا کہ سورۃ الممتحنہ کی آیات ۸، ۹ سے معلوم ہوتا ہے، تو تعلقات کی دو حال،

یہ ٹھہری کہ غیر مسلموں سے اس وقت تک جنگ نہیں کی جائے گی، جب تک کہ وہ دعوتِ اسلامی کی مخالفت کرکے لوگوں کو راہِ ہدایت سے روکتے نہیں۔

رہے بدھ ازم، مجوسیت اور اس جیسے دوسرے مذاہب کی تو اسلام کی نظر میں ان کی کوئی قیمت نہیں۔ اور ان سے ہمارے کسی طرح کے تعلقات نہیں ہوسکتے، اس لئے کہ ابوسفیان حالتِ شرک میں ایک بار مدینہ منورہ اپنی بیٹی ام حبیبہ کے پاس آئے، جو سرورِ عالمؐ کے نکاح میں تھیں، انھوں نے حضورؐ کے بستر پر بیٹھنا چاہا، لیکن ام حبیبہؓ نے اسے لپیٹ دیا اور ان سے کہا کہ "آپ نجس ہیں اس لئے کہ آپ مشرک ہیں" اگر تعلقات کی اجازت ہوتی تو ام حبیبہؓ اپنے سفر کی صعوبتوں کو جھیل کر آنے والے باپ کی ضرور مدارات کرتیں۔

اشتراکیت اور کمیونزم اسلام کی نظر میں کفر و شرک سے بھی زیادہ بدتر تحریک ہے، اس لئے کہ اشتراکیت فطرتِ انسانی سے گریز کرنا سکھاتی ہے، اور اس کی خدا بیزاری ہر اس مسلمان کو اس سے بیزار کرنے کے لئے کافی ہونی چاہیے جس کے دل میں ایمان کا کوئی ذرہ اور اسلامی غیرت کی کوئی چنگاری رہ گئی ہو۔

یہودیت و مسیحیت، اگرچہ وہ اپنے اصل راستے سے بالکل ہٹ گئی ہیں لیکن کسی درجے میں بہرحال خدا پرستی ان میں موجود ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ اسلام کے دشمن ہیں، لیکن قرآن و حدیث میں ان کے ساتھ ہمارے تعلقات کی نوعیت متعین کردی گئی ہے، جس کے ہم پابند ہیں، جنھیں دو نکات میں متعین کرسکتے ہیں:

۱۔ اگر وہ سرکشی چھوڑ کر امن و صلح پسندی کے ساتھ رہیں، تو ان سے خوشگوار

تعلقات کی اجازت ہے جن کی بنیادیں امن دوستی اور احترام انسانیت جیسی قدروں پر قائم ہوں۔

۲۔ اور اگر وہ کسی طرح کی بدعہدی کرتے ہیں، تو ان سے جنگ ضروری ہوگی اور قیامت تک جاری رکھی جائے گی۔

ان احکام کے پیش نظر اس دینی اجتماع کی ناکامی جسے انڈونیشیا کے ایک وزیر نے حکومت کے اشارے اور مسیحیوں کی طلب پر منعقد کیا تھا، اور جب مسیحیوں نے کہا تھا کہ "ہم لوگوں کو عیسائی بنانے کے لیے خدا کی طرف سے مامور ہوئے ہیں، آیا مسیحیوں کی جانب سے مسلمانوں کو اعلانِ جنگ تھا، اس لیے انھوں نے اس طرح حکومت کے ساتھ کئے ہوئے، تعاون اور پرامن بقائے با کے معاہدہ کو انڈونیشیا کی سرزمین پر پامال کر دیا، ہم مسلمانوں نے تو ان کو آزادا زندگی بسر کرنے، گرجوں میں جانے، مدارس کھولنے، اسپتال قائم کرنے اجازت دے رکھی تھی، لیکن انھوں نے اس سے آگے بڑھ کر خود مسلمانوں مسیحیت کی تبلیغ شروع کر دی، اور اس طرح مسلمانوں کے ساتھ کیے ہو معاہدہ کو توڑ دیا، اب اس صورت میں کسی مسلمان کو ــــــــــــ خوا کسی درجے کا کیوں نہ ہو ــــــــــــ یہ اختیار نہیں رہ جاتا کہ وہ ا میں مسیحیوں کے ساتھ اشتراکِ عمل کرے اور اگر وہ ایسا کرتا ہے تو اس کا ش انھیں میں سے ہوگا، کیونکہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے:

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاِنَّهٗ	اور جو ان کی دوستی کا دم بھرے گا
مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي	انہی میں سے ہوگا اللہ ظالم قوم ک

الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۔ ہدایت نہیں دیتا۔

(المائدہ ۵۱)

مصادر و مراجع

۱۔ قرآن کریم	
۲۔ فی ظلال القرآن	سید قطب
۳۔ السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی	ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی
۴۔ اظہار الحق	مولانا رحمت اللہ کیرانوی
۵۔ اشعۃ خاصۃ بنور الاسلام	ناصر الدین (اتیین دینیہ)
۶۔ حیات محمدؐ	محمد حسین ہیکل
۷۔ حقائق الاسلام واباطیل خصومہ	عباس محمود العقاد
۸۔ الفلسفۃ القرآنیۃ	〃
۹۔ محاضرات فی النصرانیۃ	شیخ محمد ابو زہرہ
۱۰۔ الجانب الالٰہی من التفکیر الفلسفی	ڈاکٹر محمد البہی
۱۱۔ تاریخ الفلسفۃ	ترجمہ: ڈاکٹر عبد الحلیم محمود
۱۲۔ التفکیر الفلسفی فی الاسلام	ڈاکٹر عبد الحلیم محمود
۱۳۔ الملل والنحل	عبد الکریم شہرستانی
۱۴۔ الفلسفۃ الیونانیۃ	یوسف کرم

۱۵۔ محمدؐ۔ الرسالۃ والرسول	ڈاکٹر نظمی لوقا
۱۶۔ المدخل لدراستہ الفلسفہ	جوتیہ
۱۷۔ من تحفۃ الجبل	یوسف الخوری
۱۸۔ سوسنۃ سلیمان	نوفل نعمۃ اللہ جرجس
۱۹۔ مرشد الطالبین	
۲۰۔ قصۃ الحضارۃ	ول ڈیوراں
۲۱۔ تاریخ المسیحیۃ فی مصر	
۷۲۔ تاریخ الامۃ القبطیۃ	یعقوب نخلہ رفیلہ
۲۳۔ عہد قدیم و جدید	(انڈونیشی زبان میں)
۲۴۔ اعتقادات فرق المسلمین والمشرکین	امام رازی
۲۵۔ فن الخدمۃ الاجتماعیہ	دردیری، زہیہ مرزوق
۲۶۔ مقدمۃ ترجمۃ القرآن	جارج سیل
۲۷۔ ذخیرۃ الالباب	
۲۸۔ بشارۃ لوقا	ڈاکٹر ابراہیم سعید
۲۹۔ الاصول والفروع	القس لوط
۳۰۔ تاریخ الکتاب المقدس	ڈاکٹر پوسٹ
۳۱۔ تاریخ ابن البطریق	

* * *

امداد مسائل الزکاۃ
یعنی
مکمل مسائل زکوٰۃ

۹/-

امداد مسائل الصلاۃ
یعنی
مکمل مسائل نماز

۱۳/۵۰

امداد مسائل الصوم
یعنی
مکمل مسائل روزہ

۱۱/۰۰

اس اہم اسلامی عبادت سے متعلق مستند کتابوں سے ماخوذ فضائل و مسائل کا عمدہ مجموعہ
جس میں اس موضوع سے متعلق تمام ضروری مسائل جمع کیے گئے ہیں

تحریر
محترم محمد اقبال قریشی صاحب

○

ناشر
ادارہ اسلامیات ۰ ۱۹۰، انارکلی ۰ لاہور ۲

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم
کے سوانح حیات، ملکی فتوحات سیاسی، انتظامی، مذہبی، اخلاقی اور علمی کارناموں کی تفصیل،
اور خلافت راشدہ کے خصائص و حقائق پر سیر حاصل مقدمہ

شاہ معین الدین احمد ندوی ؒ

ادارۂ اسلامیات
انارکلی ○ لاہور